نشاۃِ اسلامیہ کا علمبردار علمی و دینی ماہنامہ

الحق

ادارہ حق

سرپرست
مولانا عبدالحق شیخ الحدیث

ایک فکر ○ ایک تحریک ○ ایک جہاد

مقاصد

علوم اسلام کی ترویج، اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی جدوجہد، عصر حاضر کے فکری و نظری فتنوں کی سرکوبی، حق کا دفاع، اصلاح معاشرہ و معروفات کا فروغ، منکرات پر تنقید، ملت کو درپیش علمی، سیاسی، سماجی، معاشرتی اور معاشی مسائل میں کتاب و سنت کی ترجمانی، تحقیقی مقالات فقہی و علمی مضامین، عالم اسلام کے حالات، فتنہ مغربیت کا تعاقب، پرمغز اداریئے، تبصرہ کتب، معیاری ادبیات، دارالعلوم حقانیہ کی ترجمانی، سیاست اسلامی اور حکومت الٰہیہ کا منادہ، ملک و بیرون ملک مسلمانوں کے ہر طبقہ میں مقبول، ہر شمارہ عالم اسلام کے چیدہ اور جید اصحاب علم و فضل کی فکری کاوشوں کا حسین مرقع، معیاری کتابت و طباعت، اعلیٰ کاغذ، بہترین ٹائیٹل، سالانہ چندہ ۱۲ روپے، غیر ممالک ہوائی ڈاک سے تین پونڈ، بحری ڈاک سے دو پونڈ۔

الحق کو دنیائے علم و صحافت کا خراج تحسین

چند خطوط ۔ تحریری تاثرات سے اقتباسات

الجمعیۃ دہلی ۔ علمی جواہر پاروں سے آراستہ ۔ تسکین حیات اور ہمہ گیر جذبہ کی متحرک تصویر (مولانا محمد میاں دہلوی) **ماہنامہ دارالعلوم دیوبند** پاکستانی جرائد میں "الحق" کو ایک نیا اور خاص مقام (ازہر شاہ قیصر) **ماہنامہ برہان دہلی** مولانا سعید احمد اکبرآبادی ۔ علمی بھی دینی بھی، جدید کے فکری فتنوں پر تنقید بھی، ادبی چاشنی بھی۔ **صدق جدید لکھنؤ** (عبدالماجد دریابادی) مذہبی، علمی، دلچسپ، شگفتہ، وقیع، بلند معلومات، بحر خشک اور نرا مولویانہ بھی نہیں، الحق کو تجربہ کے لئے کھولا تو دل لگ گیا۔ **الفرقان لکھنؤ** الحق نے اس راہ کے تجربہ کاروں کو مات کر دیا۔ **روزنامہ جنگ پاکستان** ۔ الحق عالم باعمل بنانے میں ممد و معاون۔ **شہاب لاہور** (مولانا کوثر نیازی) جدید مسائل پر دور حاضر کے متبحر علماء کے تبرکات اور ظاہری دلآویزی بھی۔ **فاران کراچی** متجددین مغرب زدوں کے افکار باطل کی تردید (ماہر القادری)۔ **فردا تہران ایران** ۔ الحق ہمہ اہم مطالب و موضوعاتی از زندہ در علوم اسلام۔ **ماہنامہ وحید تہران** ۔ مجلہ ای است معتبر و مفید پاکستان، حاوی مطالب سودمند۔ **امروز لاہور** اس قدر شگفتہ اور شستہ زبان کہ ملک کے چوٹی کے دینی رسالوں میں شمار ہوا۔ **الاعتصام لاہور** متنوع نمایاں محاسن ظاہری و باطنی خوبیوں کا مرقع۔ **قاری محمد طیب دیوبند** (ایک ادارئیے کے بارہ میں) انشاء و ادب بھی ماشاء اللہ زبان اور سلاست بیان بھی قابل قدر اور لائق صد تحسین (یہ اداریہ میرے لئے) دستاویز نہایت ہے۔ **مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھنؤ** ۔ الحق دیکھنے سے ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مرض کی صحیح تشخیص کر لی ہے، ندوۃ العلماء کے اساتذہ و طلبہ استفادہ کرتے رہتے ہیں، خصوصاً اداریئے بہت ہی جاندار اور از دل خیزد بر دل ریزد کا صحیح مصداق ہیں۔ **مولانا محمد میاں دہلویؒ** (مؤلف شاندار ماضی) اعلائے حق فریضہ مسلم ہے، طبیعت چاہتی ہے کہ الحق کی بھی کچھ خدمت کروں۔ **مولانا ابوالوفاء افغانیؒ حیدرآباد دکن** ماشاء اللہ بہت ہی علمی مجلہ ہے۔ **مولانا زکریا شیخ الحدیث سہارنپوری** ۔ دارالعلوم اور ماہنامہ الحق کے لئے ہر نوع ترقیات سے نوازنے کا دعاگو ہوں۔ **مفتی محمد شفیع دیوبندی** ۔ الحق وقت کی ضرورت۔ **مولانا عبداللہ درخواستی** ۔ الحق نام بھی عجیب ہے، حق پر چلنے اور سب کی دعا کرتا ہوں۔ **مولانا عبیداللہ انور** ۔ الحق ہندوستان کے معارف اور برہان کی کمی کو پورا کرے گا۔ **مولانا ظفر احمد عثمانیؒ** ۔ الحاد، تحریف، تجدد کے خلاف مضامین الحق میں چھپا کریں گے۔ **علامہ محمد یوسف بنوری** ۔ اداریہ پڑھ کر دل سے دعا نکلی، بے حد مسرت ہوئی، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ **علامہ شمس الحق افغانی** معیاری پرچہ کے اصول پر پورا اور معیاری اہلیت کی راہ پر گامزن۔ **مولانا محمد زکریا بنوریؒ** مضامین کا گنجینہ، خصوصاً نقش آغاز بار بار اور غور سے پڑھنے کا۔ **زیڈ اے سلہری** ۔ اسے علم کا خزینہ سمجھتا ہوں۔ **ڈاکٹر حمید اللہ پیرس** ۔ الحق بھیجنے کا ممنون ہوں۔ **نعیم صدیقی** ۔ قیمتی علمی سرمایہ اور گرد کے تغیرات سے رنگا رنگ قابل استفادہ رسائل میں بطور خاص شامل۔ **پروفیسر حسن عسکری** ۔ دین کی مدافعت کا کام انصاف و اعتدال کے ساتھ، اس کے برابر کوئی اور رسالہ نہیں پہنچ سکتا، حق بات کے بے خوف اداریئے۔ **حکیم محمد سعید ہمدرد** اسلام کے مختلف پہلوؤں تعلیم، سیاست، تاریخ، قرآن و حدیث کا جامع۔ **انعام اللہ خان مؤتمر عالم اسلامی** ۔ الحق مسلمانوں اور عالم اسلام کی بڑی خدمت کر رہا ہے، مستقل کامیابی کی دعا۔ **قاضی عبدالصمد سربازیؒ** ۔ تبلیغ کے منصوبے کا عملی جامہ، ہر طبقہ کے لئے مفید اور کار آمد۔ **حفیظ جالندھری** ۔ الحق میں بہت کچھ ان مسائل کے بارہ میں موجود ہے جو ہم سب کو طبیعت کا درد کرنے والوں کو درپیش ہیں۔ **ڈاکٹر سید عبداللہ لاہور** مقالات نہایت عمدہ ہیں، آپ نے آراء کا بہت عمدہ مجموعہ فراہم کر لیا جو آگے چل کر دینی مقاصد کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

○ ماہنامہ الحق ○ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور پاکستان

مدیر : سمیع الحق

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ ۱۵/ روپے ۔ فی پرچہ ایک روپیہ ۵۰ پیسے
بیرون ملک بحری ڈاک ایک پونڈ ، ہوائی ڈاک دو پونڈ

ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ
مارچ ۱۹۷۷ء

جلد نمبر : ۱۲
شمارہ نمبر : ۶

سمیع الحق استاذ دار العلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس دفعہ ایڈیٹر کی گرفتاری کی وجہ سے نقش آغاز نہیں لکھا جا سکا۔

ادارۂ الحق

داعیٔ کبیر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ندوۃ العلماء لکھنؤ

ترجمہ : مولانا شمس الحق ندوی استاد ندوۃ العلماء

مصنوعی تہذیبیں

ایک صاحبِ شعور مومن کی نظر میں

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک عربی تقریر کا ترجمہ

حضرت محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی گذشتہ مہینے محرم کے آغاز میں امارت عربیہ متحدہ کے مرکز ابوظبی کے رئیس قضاء شرعی سماحۃ الشیخ عبدالعزیز آل مبارک کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے تھے، ۳؍محرم کو وہاں کے ایک بڑے اجتماع میں جو گورنر ہاؤس میں منعقد کیا گیا تھا جس میں اہلِ علم، اساتذہ و اصحاب ثقافت اور مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے حضرات کی بڑی تعداد شریک تھی۔ مولانا نے خطاب فرمایا جو وہاں کی زبان عربی میں تھا۔ اس خطاب کو ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے کاغذ پر منتقل کیا گیا، یہ اصل عربی خطاب دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ماہنامہ "البعث الاسلامی" کے صفر کے شمارہ میں شائع ہوچکا ہے۔ اس کا ترجمہ دارالعلوم کے استاذ مولانا شمس الحق صاحب نے فرمایا ہے۔ اور ہم اسے بشکریہ "الفرقان" پیش کر رہے ہیں۔ ادارہ

★

حمد و ثنا کے بعد ــــ محترم دوستو اور بھائیو!

عرب مورخین نے تاریخ اسلام کے ایک واقعہ کا بار بار ذکر کیا ہے جس کو ہم جلدی میں سرسری طور پر پڑھ جاتے ہیں، حالانکہ یہ واقعہ بڑا توجہ طلب، معنی خیز اور حکمت سے لبریز ہے، اور اس کا مطالعہ ہمیں بڑی سنجیدگی اور غور سے کرنا چاہیئے، اس وقت میں اپنی گفتگو کی ابتدا اسی واقعہ سے کرتا ہوں، اس لئے کہ اس کا ہمارے موضوع سے بڑا گہرا اور دور رس تعلق ہے، یہ واقعہ موجودہ بے جان اور کھوکھلی تہذیبوں کے بارے میں ایک باشعور و غیرت مند مومن کے نقطۂ نظر کو واضح و متعین کرتا ہے۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ میں یہ واقعہ آپ کی نظر سے گذرا ہوگا، میں نے جب اس واقعہ کو پڑھا اور اسکی وسعت و گہرائی پر غور کیا

تو تصویر حیرت بن کر رہ گیا، معلوم نہیں اس واقعہ کے مطالعہ میں آپ کے ساتھ یہ بات پیش آئی یا نہیں؟
ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی واقعہ کو پڑھ کر عجیب وغریب نتائج نکالتا ہے، اور اس کی وسعت وگہرائی پر انگشت بدنداں ہو جاتا ہے، دوسرے بہت سے لوگ اس کو روا روی میں پڑھ جاتے ہیں ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا، چاہے وہ پہلے پڑھنے والے سے زیادہ وسیع المطالعہ ہوں اور تاریخ پر ان کی گہری نظر ہو۔

اس واقعہ کو عرب مؤرخین نے اپنے مزاج وعادت کے مطابق بڑی سادگی اور اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس کی تفصیل وگہرائی میں نہیں گئے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایرانی سپہ سالار رستم نے ہمارے امیر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے جو ایرانی محاذ پر اسلامی فوج کے کمانڈر تھے درخواست کی کہ وہ مسلمانوں میں سے ایک شخص کو بھیجدیں، جس سے وہ اس جنگ کے اسباب و وجوہ معلوم کرے جو بے سان وگمان چھڑ گئی ہے، ان کے تو حاشیۂ خیال میں بھی یہ نہ تھا کہ عرب کے یہ بدو جنہیں تن ڈھکنے کے لئے کپڑا اور پیٹ بھرنے کے لئے خشک روٹی بھی نصیب نہیں ان سے اس طرح بر سر پیکار ہوں گے، عرب تو صدیوں سے دنیا سے الگ تھلگ صحرا میں زندگی گذارنے پر قانع تھے، پھر اچانک یہ صورت حال کیونکر پیش آئی، یہ لوگ تو دنیا سے الگ تھلگ اور سادہ زندگی گذارنے پر قانع تھے، انہیں ملک گیری اور پاس پڑوس کی حکومتوں پر لشکر کشی سے کوئی دلچسپی نہ تھی، لیکن اپنی طویل تاریخ میں جب اس وقت وہ روم و فارس سے جنگ آزما ہوئے تو دنیا کی توجہ کا مرکز بن گئے اور اہل روم و ایران جن سے براہ راست مقابلہ تھا حیران و ششدر تھے کہ یہ بلائے ناگہانی کہاں سے آپڑی۔

بہر کیف حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ربعی بن عامر کو رستم کے پاس بھیجا، رستم نے اپنے دربار کو ایسا سجایا تھا، بلکہ مرعوب کرنے کے لئے ایسے غیر معمولی طریقے اپنائے تھے کہ دیکھنے والا حیران رہ جائے۔ اس نے اپنے دربار کو سنہرے گاؤ تکیوں، ریشمی فرش وفروش اور جگمگاتے ہوئے ہیرے جواہرات سے سنوار رکھا تھا، غرض یہ کہ زیب وزینت کے جو بھی اسباب ہو سکتے ہیں وہ سب مہیا کر لئے تھے اور خود تاج پہن کر سونے کے تخت پر بیٹھا تھا، اس حال میں حضرت ربعی بن عامر دربار میں داخل ہوئے وہ صحرا سے نکل کر آئے تھے ایسے ٹیپ ٹاپ اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی ایسی سجاوٹ سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس آن بان کو دیکھ کر وہ دم بخود رہ جاتے، مگر انہوں نے تو کچھ اور ہی سبق پڑھا تھا، ان کے دل کی دنیا اس دربار کی جگمگاہٹ سے کہیں زیادہ تابناک و منور تھی، دربار کا

اطمینان کے ساتھ جاکر بیٹھ گئے جیسے اپنے کسی بے تکلف رفیق دوست کے ساتھ بیٹھے ہوں گفتگو شروع ہوئی رستم نے پوچھا آپ کے آنے کا مقصد اور غرض وغایت کیا ہے۔؟ حضرت ربعی بن عامرؓ نے نہایت سنجیدگی و متانت کے لہجہ میں فرمایا ہم کو اللہ نے بھیجا ہے۔ کہ بندوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر صرف اللہ کی بندگی کی طرف بلائیں اور ان کو دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی وسعت اور کشادگی کی طرف لائیں۔ مختلف مذاہب کے ظلم وجور سے نجات دلاکر اسلامی عدل و انصاف میں داخل کریں، خدا نے ہم کو اپنا دین لیکر اپنی مخلوق کیطرف بھیجا ہے کہ ان کو خدا کی طرف بلائیں اور اسکی دعوت دیں۔

دوستو اور بھائیو! میرا یہ منشا نہیں کہ اس سادہ و معنی خیز واقعہ کے تینوں اجزاء کی تشریح و وضاحت کروں میں اس وقت قصہ کے صرف ایک جز کی وضاحت و تشریح کرنا چاہتا ہوں، اس باشعور مردِ مومن نے رستم کو اس وقت مخاطب کیا جب وہ شان وشوکت اور رعب و دبدبہ کی انتہائی منزل پر ہے، راحت و آسائش کے سارے اسباب مہیا تھے۔ مگر یہ بندۂ خدا کہتا ہے کہ "دنیا کی تنگی سے اسکی وسعت کی طرف لائیں"۔ مجھے ان کے اس جملہ پر کہ "بندوں کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت کی طرف بلائیں"۔ حیرت و تعجب نہیں نہ ان کے اس جملے پر حیرت ہے کہ "مذاہب کے ظلم وجور سے نکال کر اسلام کے عدل و انصاف میں داخل کریں"۔ یہ تو ان مسلمانوں کے لئے ایک بدیہی حقیقت تھی جن کے دلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کا عقیدہ بٹھایا اور ایمان ویقین کا بیج بویا تھا، اور کفر وشرک اور فسق وفجور کو ان کے لئے مبغوض بنادیا تھا۔ وہ بندگانِ خدا شرک وبت پرستی اور انسان کی اپنے ہی جیسے انسان کے سامنے سرخمیدگی کو ذلت وحقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، ان کو اس سے گھن آتی تھی، ان کا ذوقِ سلیم اس سے ابا کرتا تھا۔

حضرت ربعی بن عامرؓ پر یہ حقیقت بھی عیاں تھی کہ فارس کے بادشاہوں اور حکمرانوں نے لوگوں کو غلام بنا رکھا ہے، اور ان کے ساتھ وہ برتاؤ کرتے ہیں جو خدا بندوں کے ساتھ کرتا ہے۔ وہ برتاؤ نہیں جو آقا غلام کے ساتھ کرتا ہے۔ لوگ ان کے سامنے جھکتے ہیں زمین بوس وسجدہ ریز ہوتے ہیں، ان کے عوام کا یہ عقیدہ تھا کہ بادشاہوں اور حکام کا طبقہ عام انسانوں سے بلند وبرتر اور مقدس ہے، ان کی رگوں میں خدائی خون جاری ہے۔

اور ان مردانِ حق کا ایمان وعقیدہ یہ تھا کہ پاک و مقدس صرف خدا کی ذات ہے، اور دینِ اسلام ہی برحق وسچا خدائی دین وقانون ہے، اس کے علاوہ جو بھی ادیان ومذاہب پائے جاتے ہیں وہ حقیقت سے بہت دور اور ظلم وجور کا سرچشمہ بن چکے ہیں، وہ انسانوں کو انسانوں ہی کا غلام وپرستار بناتے ہیں، انسانی کنبہ کو دینی پیشواؤں اور راہبوں کے تابع کرتے ہیں اور ان کو ایسی پابندیوں، بیڑیوں اور پھندوں میں جکڑتے

ہیں جس کا خدا کی طرف سے کوئی ثبوت نہیں۔

ان بزرگانِ خدا نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو سنا اور پڑھا تھا۔ الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل یأمرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحلّ لھم الطیبات ویحرّم علیھم الخبائث ویضع عنھم إصرھم والاغلال التی کانت علیھم —
(سورۃ اعراف آیۃ ۱۵۷)

جو لوگ کہ ایسے رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ ان کو نیک باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں، اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتلاتے ہیں۔ اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں۔ اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔

انہوں نے خدا کا یہ فرمان بھی سنا تھا: یاایھا الذین آمنوا إن کثیراً من الاحبار والرھبان لیأکلون أموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ۔ (سورہ توبہ آیۃ ۳۷) اے ایمان والو بہت سے عالم و درویش لوگوں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں، اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

انہوں نے یہ آیاتِ قرآنی پڑھی تھیں اور ان پر ایمان لائے تھے اور جن ادیان و مذاہب سے وہ واقف تھے مثلاً روم کے نصرانی، فارس کے مجوسی اور مدینہ کے یہودی، ان کے اندر قرآن کے بیان کئے ہوئے ان حقائق کو دیکھ رہے تھے۔ ان آیات و تعلیمات کی روشنی میں اگر ربعی بن عامرؓ یہ فرماتے کہ ہم بندوں کو دنیا کی تنگی سے آخرت کی وسعت کی طرف بلانے اور نکالنے کے لئے آئے ہیں تو حیرت کی بات نہیں تھی اس لئے کہ یہ انہوں نے پڑھا تھا اور اس آخرت پر ایمان رکھتے تھے جسکو وسعت لامحدود اور بقاء دوام حاصل ہے، وہ اس جنّت پر ایمان رکھتے تھے جس کی نعمتوں، راحتوں اور وسعت کی کوئی حد نہیں۔

انہوں نے قرآنِ کریم میں جس کا ایک ایک فرمان ان کے رگ و پے میں جاری و ساری تھا، یہ پڑھا تھا کہ لپکو اور بڑھو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنّت کی طرف جسکی وسعت زمین و آسمان کی وسعت کے برابر ہے۔ جو احکام خداوندی کا پاس و لحاظ رکھنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ اس جنّت کی طرف بڑھو جسکی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے اور یہ بھی فرماتے سنا تھا کہ جنت کے اندر ایک کوڑے بھر کی جگہ بھی دنیا و ما فیہا سے افضل و بہتر ہے۔ اس نبوی تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں اگر وہ کہتے کہ ہم ان کو دنیا کی تنگی سے آخرت کی وسعت کیطرف نکالنے آئے ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں تھی، اس لئے کہ ان کو یہی سبق پڑھایا گیا تھا۔

تعجب وحیرت ان کے اس جملہ پر ہے کہ "دنیا کی تنگی سے اسکی وسعت کیطرف لائیں" وہ کون سی تنگی تھی جس میں اہل فارس گھٹ رہے تھے، اور وہ کیا وسعت تھی جو عربوں کو حاصل تھی کہ ربعی بن عامرؓ نے ان سے بے تکلف فرمایا کہ اے بدنصیب و دکھ درد کے مارے ہوئے ایرانیوں ہم تم کو دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت وکشادگی میں لانا چاہتے ہیں۔

کیا عرب جس حال میں تھے وہ وسعت کہلانے کے لائق تھی، اور ایرانیوں کو جو عیش وتنعم حاصل تھا اسکو تنگی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔؟ پھر ان کے اس جملے کا آخر راز کیا ہے؟ آیئے ہم تاریخ کے صفحات میں اس حقیقت کو تلاش کریں، اس لئے کہ تاریخ دوٹوک حقیقت پیش کرتی ہے، عربوں، رومیوں اور ایرانیوں کی تاریخ مرتب ومدون ہے۔ اس میں شکوک وشبہات کی گنجائش نہیں اس کو سچے اور ثقہ راویوں نے بیان کیا ہے۔ اسکو مختلف روایتوں اور معتبر طریقوں سے تائید بھی حاصل ہے۔ اگر عرب وسعت وکشادگی اور خوشحالی کی زندگی گذار رہے تھے تو یہ بات ان راویوں سے پوشیدہ ومخفی نہیں تھی کہ تاریخ اس سے سکوت اختیار کرتی، اسی طرح ایرانی اگر عسرت وتنگی کی زندگی گذار رہے تھے تو یہ بات بھی ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ تاریخ شاہد ہے، اور تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ رومی وایرانی نہایت خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگی گذار رہے تھے بلکہ دل کھول کر داد عیش دے رہے تھے، دنیا کا دامن ان کے لئے وسیع وکشادہ تھا، اور ان کی زندگی سامان راحت وآسائش سے بھری ہوئی بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ سدا بہار تھی۔

دوسری طرف عربوں کی زندگی اس کے بالکل برعکس تھی، وہ سادہ اور موٹی جھوٹی زندگی گزارنے کے عادی تھے، یہ حضرت عمر فاروقؓ کا عہد خلافت تھا اور مسلمان اپنی عربی اسلامی فطرت پر قائم تھے، تہذیب و ثقافت کا دائرہ ابھی تک اتنا وسیع و پر پیچ نہیں ہوا تھا جتنا بعد کے زمانہ میں ہوا۔ خود خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ کی زندگی بھی نہایت سادہ و زاہدانہ تھی اور عام مسلمانوں کی بھی۔

عربوں کی اس زندگی کو رومی وایرانی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور انہیں بدوی اور پسماندہ سمجھتے تھے انہیں ان کی عسرت وتنگی پر ترس آتا تھا جب تصویر کا صحیح رخ یہ ہے اور عربوں کی وسعت اور ایرانیوں کی تنگی کی حقیقت وہ ہے جسکی تفصیل اوپر گذری، تو ہم اس مرد مومن کے جملہ پر (کہ ہم تم کو دنیا کی تنگی سے اسکی وسعت کی طرف نکالنے کے لئے آئے ہیں،) غور کریں اسکی گہرائی میں جائیں اور جائزہ لیں کہ اہل فارس کس تنگی وگھٹن میں مبتلا تھے جس پر اس عرب مسلمان نے اظہار افسوس کیا، اور وہ کون سی وسعت وفراخی تھی جو عربوں کو میسر وحاصل تھی جس پر اس صحابی جلیل نے تشکر وامتنان کے لہجہ میں اظہار فخر کیا۔ کیا ان کا قول شاعرانہ لن ترانی اور مبالغہ پر مبنی تھا، حاشا وکلا مبالغہ آرائی عربوں کا مزاج نہیں تھا وہ حقیقت پسند تھے، اسلام نے امت مسلمہ

کے کسی فرد کو اسکی اجازت نہ دی تھی کہ وہ فخر و غرور کا مظاہرہ کرے اور شاعرانہ مبالغہ آمیزی سے کام لے وہ مبالغہ آمیزی اور مہمل و بے معنی باتیں کرنے سے بہت بلند و برتر تھے، بے لاگ و دو ٹوک بات کرنا ان کی سرشت و مزاج میں داخل تھا۔

جب حقیقت یہ ہے تو پھر آخر وہ کون سی تنگی تھی جو ان کو نظر آرہی تھی، وہاں کی صورت حال تو یہ تھی کہ ایران کی اس عظیم و پرشکوہ شہنشاہی کی حدود میں داخل ہوتے ہی ان کی شان و شوکت آرائش و زیبائش اور انواع واقسام کے ماکولات و مشروبات کو دیکھ کر ان کے منھ میں پانی بھر آتا، انہوں نے وہاں عیش و تنعم کے گرانقدر ساز و سامان ، تہذیب و تمدن کی پوری جلوہ گری، ساز و نغمہ کی سحر آفرینی و فتنہ سامانی دیکھی تھی۔ آنکھوں کو خیرہ و چکا چوند کر دینے والے اس تمدن کو دیکھا تھا جو عروج و ترقی کے آخری نقطہ پر تھا، اہل فارس نے اپنی ذہانت و نکتہ آفرینی اور صدیوں کے تجربہ اور بیشمار ساز و سامان اور زبردست فتوحات سے اس میں چار چاند لگا دئے تھے، اس ملک میں بڑے بڑے شہر اور پرشوکت عمارتیں تھیں، ہرے بھرے باغات اور دلفریب پارک تھے، خوبصورت و دیدہ زیب بازار تھے، انوکھے اور دور دراز ملکوں سے حاصل کئے ہوئے سامان تھے۔

دوستو اور بھائیو! یہ عرب آخر کس قماش و کس خمیر کے لوگ تھے جو ان دلکش مناظر و مظاہر کی خاطر میں نہ لاتے تھے، اور یہ حسن و جمال جسے دیکھ کر انسان دیوانہ ہو جائے ان کی نگاہوں میں جچتا نہیں تھا، ان کے اس جملہ پر کہ "اے اہل فارس ہم کو خدا نے بھیجا ہے کہ تم کو دنیا کی تنگی سے اسکی وسعت کی طرف لائیں" ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔ لیکن اگر ہم ذرا غور کریں اور وسعت و تنگی کے ان کے معیار کو سمجھ لیں تو یہ حیرت دور ہو جائے گی وہ مردان خدا ان بادشاہوں اور احکام کو اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے عقل مند و دانا انسان اس گڑیا کو دیکھتا ہے جس کو خوبصورت و عمدہ کپڑے پہنا دئے گئے ہوں، ربعی بن عامرؓ ان امراء و حکام کو ان مورتیوں کی طرح دیکھ رہے تھے جو بڑی مہارت سے بنائی گئی ہوں اور ان کے بنانے والوں نے اچھی طرح ان کے نوک و پلک درست کئے ہوں، مگر مورتی تو مورتی ہی ہے، پتھر کی ہو یا سیمنٹ و چونے کی، نہ اس میں روح و زندگی ہے نہ چلنے پھرنے کی قوت و طاقت، ایرانی امراء و حکام کی حالت اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی۔

حضرت ربعی بن عامرؓ لشکر اسلام کے ایک فرد تھے وہ رستم کو اس نظر سے دیکھ رہے تھے جیسے سونے کے پنجرے میں کوئی پرندہ پلا ہوا ہو، اسی طرح کسریٰ (یزدجرد) جس کو انہوں نے ابھی تک دیکھا نہیں تھا ان کے نزدیک ایک بلبل اور مور یا کسی اور خوبصورت چڑیا کی طرح تھا، ہے وہ بہر حال قید میں۔

یہ چڑیا پنجرے میں رہتی ہے، پنجرا سونے کا ہے اس کی تیلیاں سونے کی ہیں۔ چڑیا جن برتنوں میں کھاتی پیتی ہے وہ بھی سونے کے ہیں۔ مگر وہ کھلی ہوئی فضا میں آزادی کے ساتھ اڑنے اور پر ہلانے کی نعمت سے محروم ہے۔

آپ بتائیں کہ کوئی بھی انسان جو زندگی کی قیمت اور حقیقت سے واقف ہے۔ آزادی و شعور کی لذت سے واقف ہے۔ علم و عقل کی قیمت سے واقف ہے، کیا یہ انسان جس کو خدا نے انسانیت کا شرف بخشا ہے وہ اس مقید پرندے کو رشک و لالچ کی نظر سے دیکھے محض اس لئے کہ وہ سونے کے پنجرے میں ہے اور یہ کچے مکان بلکہ اون کے خیمہ میں رہتا ہے، بلکہ ہم اس سے بھی آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ کیا ہم کسی پالتو کتے پر رشک کریں گے؟ وہ کتا جسے اس کا یوروپین آقا عمدہ عمدہ کھانے اور میوے کھلاتا ہے۔ اس کو دودھ پلاتا ہے اسکو سونے کا ٹیکا پہناتا ہے، اس کو نرم و گداز بستر پر سلاتا ہے۔

دوستو اور بھائیو! حضرت ربعی بن عامرؓ رستم، کسریٰ (یزدجرد) اور ایرانی حکومت کو بالکل اسی نظر سے دیکھ رہے تھے جس نظر سے ہم پالتو پرندہ کو سونے کے پنجرے میں دیکھتے ہیں یا کسی یوروپین کے پالتو کتے کو اسکی گود میں اور موٹر میں دیکھتے ہیں۔

محترم دوستو اور بھائیو! اس کا راز یہ تھا کہ حضرت ربعی بن عامرؓ جس دین پر ایمان رکھتے تھے، جس دعوت کے حامل تھے، وہ جس شخصیت کے مالک تھے اور جس خدا کے تابع فرمان تھے، وہ قرآن جس کو انہوں نے پڑھا تھا اور جو ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر چکا تھا اس پر ان کو ناز تھا ان کی ایک ایک رگ میں ایمانی حرارت کی لہر دوڑ رہی تھی وہ ان اقدار و معانی اور ان حقائق پر نازاں تھے جو اس ظاہری حسن و جمال سے کہیں بلند تھے، یہی وجہ تھی کہ ایرانیوں کا یہ سحر آفریں تمدن ان کو متاثر نہ کر سکا اور اسکی فتنہ سامانیاں ان پر اپنا جادو نہ چلا سکیں، وہ اس حقیقت کو جانتے تھے کہ رستم چاہے جتنا بڑا سپہ سالار اور قائد و حکمران ہو مگر وہ آگ کی پوجا کرتا ہے، وہ اپنے نفس کا غلام ہے ایسے ہی جیسے اپنے آقا (یزدجرد) کا غلام ہے اور اپنی عادات و خواہشات کا غلام ہے۔

مسئلہ صرف رستم یا کسی ایک جنرل یا گورنر کا نہیں تھا بلکہ تمام اہل فارس کا اپنے آقاؤں کے ساتھ بشمول "یزدجرد" یہی معاملہ تھا، یزدجرد نہیں سمجھتا تھا کہ وہ اپنی خواہشات کا غلام ہے یا اپنے غلاموں کا غلام ہے کہ ان کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا تھا، اسکی نقل و حرکت انہیں کے کاندھوں پر ہوتی تھی، وہ کسی اعتبار سے بھی ایک آزاد انسان نہ تھا، بلکہ وہ ایسا انسان تھا جسکو خواہشات نے غلام بنا رکھا تھا، عادات و اطوار نے غلام بنا رکھا تھا۔ رسم و رواج نے غلام بنا رکھا تھا۔ وہ ادنیٰ حیوانی جذبات کا غلام تھا، آپ کو معلوم ہے

کہ بادشاہ "یزدجرد" ان دو بڑے بادشاہوں میں سے ایک تھا جنہوں نے دنیا کے متمدن و ترقی یافتہ حصوں کو تقسیم کر لیا تھا۔ ایران کا "کسریٰ" روم کا "قیصر"۔

اسلامی فتوحات کے سلسلے میں تاریخ کا میرا تازہ مطالعہ یہ ہے کہ ایرانی بادشاہت رومی بادشاہت سے بڑھی ہوئی تھی، ہندوستان کے متعدد صوبے ایرانیوں کے زیر فرمان تھے، ان میں سے بعض ایسے صوبے بھی تھے جو ہندوستان کے اندرونی علاقہ میں واقع تھے۔ لیکن اس صاحب شان و شوکت بادشاہ کے بارے میں تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب وہ اپنے پایۂ تخت "مدائن" سے جان بچا کر بھاگا ہے اور پناہ گزینی و فرار کی حالت میں تھا اس وقت بھی اپنے ساتھ ایک ہزار باورچی لئے ہوئے تھا۔ ایک ہزار باورچی۔ کیا آپ کو یقین آئے گا؟ اور ایک ہزار "گویئے" اس کے ساتھ شکروں اور چیتوں کی دیکھ بھال کرنے والے ایک ہزار خدام بھی تھے، اس کے باوجود وہ نہایت رنج وغم کے ساتھ آہ سرد بھر کر کہتا تھا کہ افسوس میں اپنے ساتھ خدم وحشم اور کارکنوں کی تھوڑی تعداد لے سکا۔ اور لوگوں سے کہتا تھا کہ میں تعزیت اور دلجوئی کا مستحق ہوں، کیا ایسے شخص کو آزاد و خوش بخت کہا جا سکتا ہے۔؟ خود مختار و با ارادہ کہا جا سکتا ہے۔؟

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اسی حالت فرار میں جب اس نے ایک بوڑھی عورت کے یہاں پناہ لی اور بڑھیا نے اس کو کھانا پیش کیا اور یہ بھانپ کر کہ یہ کوئی بادشاہ و معزز شخص ہے۔ اظہار افسوس کیا۔ اس نازک گھڑی میں بھی جبکہ جان کے لالے پڑے تھے یزدجرد نے کہا کہ مجلس رقص و سرود کے بغیر یہ کھانا میرے حلق سے اترنہیں سکتا، ان کی خواہشات کی بندگی و غلامی اور ناروا عادات کی پابندی اس درجہ کو پہنچ چکی تھی کہ وہ طاؤس و رباب کے بغیر کھانا نہیں کھا سکتے تھے، ہمیں یاد ہے کہ اہواز کا بادشاہ "الہرمزان" جب قید ہوا، اور خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ کی خدمت میں مدینہ منورہ لایا گیا تو اس وقت حضرت عمرؓ مسجد کے اندر اپنی ٹوپی کا تکیہ بنائے ہوئے سو رہے تھے، لوگوں کی آوازیں سن کر بیدار ہو گئے اور "ہرمزان و حضرت عمرؓ کی گفتگو شروع ہوئی دوران گفتگو میں ہرمزان کو پیاس لگی اور اس نے پانی مانگا، ایک موٹے سے بڑے پیالے میں پانی لایا گیا۔ پیالہ کو دیکھ کر ہرمزان نے کہا کہ میں پیاسا مر جاؤں گا مگر اس جیسے بھدے پیالہ میں پانی نہیں پی سکتا۔ پھر دوسرے پیالہ میں پانی لایا گیا تو اس نے پانی پیا۔

اس موقع پر حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں کو نصیحت کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو اسلام کی نعمت عطا فرمائی، تم کو خدا نے اسلام کی وہ دولت عطا فرمائی جس نے تم کو ہزار بندگیوں سے نجات دی، تمہیں ان بتوں سے نجات دی جنہیں انسان خود بناتا ہے، اپنے ہاتھوں سے تراشتا ہے، اور اسی کا غلام بن جاتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: أتعبدون ما تنحتون۔ کیا تم ان کو پوجتے ہو جنہیں

خود تمہارے ہاتھوں نے بنایا ہے۔

دوستو! ہماری بہت سی ایسی عادتیں ہیں جن کو ہم خود اختیار کرتے ہیں اور پھر اس کے پابند و غلام بن جاتے ہیں، انسان اس وقت تک معزز نہیں ہو سکتا جب تک ایک خاص طرز کے مکان میں نہ رہے، مخصوص معیار کا کپڑا نہ پہنے، تراش خراش و ٹیپ ٹاپ کا لحاظ نہ رکھے، اس کے پاس فلاں فلاں ساز و سامان، فرنیچر اور لباس ہونا چاہئے، ہم جس زمانہ کی بات کر رہے ہیں اس میں یہی سب تو ہو رہا تھا جو آج ہم کر رہے ہیں۔ ایرانی کسی بڑے آدمی کو جس کی ٹوپی ایک لاکھ سے کم کی ہو عار دلاتے تھے، اور جو متوسط درجہ کا ہوتا اس کی ٹوپی پچاس ہزار کی ہوتی ان کے رؤسا کا صرف پٹکا پچاس ہزار کا ہوتا تھا، یہ عرف و معیار لوگوں کی ایجاد ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس کا پابند نہیں بنایا۔

یہ مغربی تہذیب و تمدن، خود ساختہ رسم و رواج، بے معنی پابندیاں اور گڑھی ہوئی اصطلاحات جن کو اہل یورپ نے اور ان کے وفادار شاگردوں نے خود سے اپنے اوپر لاد لیا ہے، اس کا سرچشمہ کیا ہے، یہ پابندیاں کہاں سے آئیں جن کو ہم نے ضروری سمجھ لیا ہے، آج ہم اس مغربی تہذیب کے سامنے اس سراب صحرا اور حباب دریا کے سامنے بلکہ صحیح معنوں میں اس لاشۂ بے جان و متعفن کے سامنے جسے یورپ اپنے کاندھوں پہ لئے پھر رہا ہے اور سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ اسے کہاں ڈال دے۔ ہم اس کے سامنے سپر انداز ہو گئے، اور فطرت کی اس سادگی سے دور و تہی دست ہو گئے جس میں عرب مشہور تھے اور جو امت مسلمہ کے پیشواؤں اور مربیوں نے مسلم قوم کو عطا کیا تھا، جیسے حضرت عمرؓ بن الخطاب[1]، حضرت ربعیؓ بن عامر اپنی دوربینی، قوتِ ایمانی اور علمی گہرائی کی وجہ سے۔ (گو وہ بہت سے علم و تمدن کے دعوے داروں کی نگاہ میں تنگ نظر تھے۔) ان لوازمات کو جنہیں ایرانیوں نے اپنے اوپر مسلط کر لیا تھا، طوق و سلاسل، پیروں کی بیڑیاں اور گلے کا پھندا سمجھ رہے تھے، وہ اس سے پوری طرح واقف نہ تھے مگر جتنا جانتے تھے وہ بہت تھا اور شہادت کے لئے کافی تھا۔ اور اسی اعتماد و بنیاد پر انہوں نے کہا کہ اے ایرانیوں اللہ نے ہم کو بھیجا ہے کہ تم کو دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف نکالیں، تمہاری خود بینی تم کو دھوکے میں نہ ڈالے، ظاہری نمود و نمائش تمہیں فریب نہ دے، تم پنجرہ میں زندگی گزار رہے ہو پنجرہ ہے چاہے وہ سونے ہی کا کیوں نہ ہو اور خواہ وہ خوبصورت قیمتی شیشے کا بنا

---

[1] حضرت عمرؓ نے اپنے بعض عرب عاملوں کو جو عجمی ملکوں میں تھے لکھا تھا کہ تم عجمیوں کی خو بو اختیار کرنے سے بہت بچنا، تم دھوپ میں رہنے کی عادت رکھو کہ وہ عربوں کا حمام ہے، تم معد بن عدنان کا رہن سہن اپناؤ، موٹا جھوٹا کھاؤ اور موٹا جھوٹا پہنو۔ (رواہ البغوی عن عثمان النہدی)

ہوا ہو اور وسعت میں کسی شہر کے برابر ہو لیکن ہے تو وہ پنجرہ ہی جیل خانہ کیا ہے ؟ وہ قید خانہ کیوں کہلاتا ہے کیا وہ وسیع نہیں ہوتا۔؟ کیا اس میں کمرے نہیں ہوتے جو عام طور پر متوسط طبقہ کے لوگوں کو میسر نہیں ہوتے، اس سب کے باوجود وہ قید خانہ ہی کہلاتا ہے۔ ہم میں سے کوئی شخص جیل میں رہنا پسند نہیں کرتا چاہے وہاں لطف و راحت کے کتنے ہی سامان مہیا ہوں، اور خواہ وہ کتنا ہی کشادہ اور وسیع ہو، اس میں پارک و چمن ہوں، جھیل و تالاب ہوں، اور میوزیم و تفریح گاہیں ہوں۔

دوستو! یہ صاحب فہم و ذکا اور باشعور عرب مسلمان جو احساس کمتری کا شکار نہیں تھا۔ جو شکست و خوردگی اور خود اعتمادی کے فقدان سے بالکل محفوظ تھا، وہ مرد مومن اگر اس وقت تک زندہ ہوتا تو مغربی تہذیب کی تقلید اور عیش و تنعم کی اس زندگی کو جو عرب اور بہت سے اسلامی ملکوں کے مسلمان گذار رہے ہیں اسی نظر سے دیکھتا جس نظر سے رومی، و ایرانی تمدن کو دیکھتا تھا۔ اور ان پر ایسے ماتم کرتا جیسے اس نے رومیوں اور ایرانیوں پر ماتم کیا تھا، اور فکر و آرزو کرتا کہ ان کو دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف لائے۔ جیسے اس نے رومیوں اور ایرانیوں کے لئے تمنا کی تھی۔

یہ عرب مسلمان آزادی کی وہ پُر لطف زندگی گذار رہا تھا جو اسلام نے عطا کی تھی اور جس نے اسے تنگ و محدود اور گھٹتی ہوئی دنیا سے نکالا تھا، پیٹ اور مادہ پرستی کی دنیا، اغراض و خواہشات کی دنیا، بندگی و بندہ سازی کی دنیا، اسلام نے ان کو مٹنے والی دنیا، فانی، افکار و امراض اور غم و آلام کی بے لطف دنیا سے نکال کر وسیع و لامحدود دنیا میں پہنچا دیا تھا، وہ تھی ایمان و یقین کی دنیا، قلب و روح کی دنیا، قربانی و دستگیری کی دنیا، عدل و مساوات کی دنیا، رحم و کرم کی دنیا، دلبری و اخلاص کی دنیا، بقاء و دوام کی دنیا، وہ دنیا جس میں تکدر و بے لطفی نہیں، جس میں خوف و اندیشہ نہیں، رنج و غم نہیں۔

حضرت ربعی بن عامرؓ کو دنیا کی یہ وسعت اور اس کا وہ لطف و مزہ حاصل تھا جس سے رومی و ایرانی دونوں محروم تھے، اور ان کو روم و ایران کا تمدن اور ان کی زندگی ایک تنگ پنجرہ معلوم ہو رہی تھی، جس میں ایک آزاد و حوصلہ مند انسان اور صاحب عقل و شعور مومن کا دم گھٹنے لگے، جیسے مچھلی کہ اگر اس کو پانی سے نکال دیا جائے تو چاہے کتنے ہی گداز و ملائم بستر، یا سونے کی شاندار ڈبیا میں رکھ دیا جائے مگر اس کا دم گھٹنے لگے گا۔

حضرات یہ تو ایک بادیہ نشین مسلمان کا نقطۂ نظر تھا جس نے تپتی ہوئی ریت اور جھلستے ہوئے صحرا کے سوا کچھ نہیں دیکھا تھا، مگر ہم پڑھے لکھے اور مہذب و شائستہ لوگوں کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ پروفیسرو یونیورسٹیوں کے لیکچرارو، تعلیم و تربیت کے علم بردارو، صحافیو اور یورپ کا دورہ کرنے والو، بتاؤ کہ ہم!

موجودہ، بے روح اور کھوکھلی تہذیب کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔؟ ہمارے نقطۂ نظر اور اس صحرا نشین مردِ مومن کے نقطۂ نظر میں کوئی مناسبت ہے۔؟ جو دنیا سے اتنا واقف نہ تھا جتنا ہم واقف ہیں، جس کی تاریخ پر ایسی گہری نظر نہ تھی جیسی ہماری ہے، وہ قوموں کے حالات و تجربات سے اتنا واقف نہیں تھا جتنا ہم واقف ہیں، اس نے نہ فلسفہ پڑھا تھا اور نہ ہماری آپ کی طرح اس پر گہری نظر رکھتا تھا۔ اس کا راز یہ ہے کہ اس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور دینِ اسلام نے اعتماد خودداری، ایمان و جوانمردی کی دولت بھر دی تھی، انہیں دنیا کی بے بضاعتی کا یقین اور حقیقت شناسی کا جوہر عطا کیا تھا، یہ مردِ مومن اس وقت کی موجودہ دنیا کے سپہ سالار اعظم "رستم" جس کے نام سے دل لرزتے تھے۔ کسریٰ کے بعد اس کا جاہ و جلال تھا، ایران کے تمام سپہ سالاروں اور حکام پر اسی کا سکہ چل رہا تھا، اس سے وہ بوریہ نشین اور صحرا نورد مومن، جرأت و بے باکی اور حقارت و استخفاف سے بھرپور لہجہ میں یہ کہہ سکتا تھا کہ رستم مجھے تم پر ترس آتا ہے، تمہاری حالت زار سے میرا دل بھر آتا ہے، تم بے معنی رسوم و رواج کے پھندوں میں جکڑے ہوئے ہو، تم دنیا کی تنگی میں ہو اور ہم عرب جن کے جسم نیم برہنہ تلوار کی نیام بوسیدہ و کرم خوردہ، کپڑے پھٹے ہوئے پیوند زدہ اور جوتے ٹوٹے ہوئے ہیں، اس سب کے باوجود ہم جنت میں ہیں اور عیش کی زندگی گذار رہے ہیں اور تم عذاب جہنم کی زندگی گذار رہے ہو۔

بھائیو! آخر کس قوت و طاقت، کس جذبہ و حوصلہ نے ان سے یہ جرأت مندانہ اور طاقتور بات کہلوائی، وہ کیا جوہر تھا جس نے ان سے یہ جھنجھوڑنے اور لرزہ براندام کر دینے والا جملہ کہلوایا۔ یہ ان کی ایمانی طاقت، ان کی خود اعتمادی اور اس پیغام و تعلیم کا کرشمہ تھا جس سے خدا نے ان کو نوازا تھا۔

دوستو! ہم میں کتنے ایسے لوگ ہیں، خدارا آپ بتائیں کہ ہماری یونیورسٹیوں اسکولوں، دفتروں، شعر و ادب اور صحافت کے میدان میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو کسی یوروپین یا امریکن کو اس لب ولہجہ میں مخاطب کر سکیں جو ہمارے ہی خوشہ چیں ہیں ہم ہی ان کو پال رہے ہیں۔ اگر یہ پٹرول نہ ہوتا جو آپ کے جزیرہ میں ابل رہا ہے، تو کسی امریکن و یوروپین کو یہ قوت و غلبہ ہرگز نہ حاصل ہوتا، وہ یوروپین جن کے ایمان و اخلاق اور خود شناسی کا دیوالیہ ہو چکا ہے، جو اس وقت اخلاقی جذام میں مبتلا ہے، اور جس کی وجہ سے اس کی تہذیب و ثقافت، تعفن و بدبو کا شکار ہے، اور اسکی سمجھ میں اس کا کوئی علاج نہیں آرہا ہے۔ اور نہ وہ اس پر کوئی کنٹرول کر پا رہا ہے، وہ ایک ہوشیار، خود غرض اور نفع خور تاجر ہے، وہ مدتوں پہلے اپنی گردن سے عیسائیت کا قلادہ اتار چکا ہے حسن اخلاق، انبیاء کرام، اور آسمانی مذاہب سے تعلق کا اس کا آخری دھاگہ بھی ٹوٹ چکا ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کے باوجود ہم اس کو اکرام و اعزاز اور تقدس و معبودیت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور خود کو، اپنی تہذیب کو، اخلاقی قدروں اور اپنے ذہن کو، ان کی تہذیب و قدروں کے سامنے حقیر سمجھتے ہیں، اور اس کے سامنے اس طرح بے حقیقت ہو جاتے ہیں جیسے سورج کے سامنے شبنم پگھل جاتی ہے، یا آگ کی لو کے سامنے موم پگھل جاتا ہے۔

یہ عرب مسلمان جس نے اپنے جوہر کو پہچانا، اپنے پیغام کی قیمت و اہمیت کو پہچانا وہ "رستم" سے کہتا ہے کہ خدا نے ہم کو بھیجا ہے کہ اس کے بندوں کو دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف نکالیں۔ ان کا یہ جملہ ایسا قیمتی و باوزن ہے کہ پہاڑ بھی اس کو نہیں سہار سکتے اور سمندر پر رکھ دیا جائے تو وہ دھواں دھواں ہو جائے، تو دل و ضمیر پر کیا گذرے گی۔ دعوت اسلامی کے دور اول میں ایک باشعور مرد مومن اپنے عہد کی بے جان تہذیبوں کی طرف جس نقطۂ نظر سے دیکھ رہا تھا، آج بھی ایک باشعور و صاحب ایمان شخص کو اپنے عہد کی بے حقیقت اور حقیر تہذیبوں کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیئے۔

دوستو! آج ہم آپ سے بس اتنا ہی کہنا چاہتے ہیں، اور اس جگمگاتے اور خوبصورت شہر میں جو اچانک صحرا سے نکل کر گل بداماں ہو گیا، اور ترقی و عروج کو پہنچ گیا، میں اس مرد مومن کا یہ جملہ بطور تحفہ و امانت پیش کرتا ہوں۔ یہ صدا میں نے یہاں لگائی ہے۔ مگر میری آرزو و تمنا یہ ہے کہ یہ آواز دنیا کے کونے کونے میں گونج جائے۔ اللھم اشھد۔

عربوں کو اور مشرق و مغرب میں جہاں کہیں بھی مسلمان رہتے ہیں۔ انہیں اس موجودہ بے جان اور کھوکھلی تہذیب کو جو ہمارے گرد و پیش چھائی ہوئی ہے، اسی مومنانہ اور خود دارانہ نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ ہم کوئی طفیلی اور مجہول النسب لوگ نہیں ہیں۔ ہم اچانک زمین سے نہیں نکل آئے ہیں کہ ہمارا کوئی حسب نسب اور جڑ بنیاد نہ ہو۔ ہم ایسے نہیں کہ ہمارا کوئی ورثہ و سرمایہ نہ ہو، ہماری کوئی تہذیب و تاریخ نہ ہو، نہ ہمارے اسلاف ہوں نہ شرف و منزلت۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ دوستو! ہم پر فضل و کمال سے مالامال بلکہ نہال ہیں۔ ہم ساری دنیا کے اتالیق ہیں، قوموں کے رہبر و رہنما ہیں ہم وہ ہیں کہ ہے حقیقت جس کے دین کی احتساب کائنات۔

مگر دوستو! اسوقت دل تھام کر یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ؎

متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی

ہم پر مغربی تہذیب کا ایسا جادو چلا ہے، کہ ہم استاذ سے شاگرد بن گئے ہیں، کل ہم ستاروں کو نشانِ راہ بتاتے تھے، اور آج ہم خود ہی یورپ کی بتائی ہوئی راہ پر چل رہے ہیں، ہماری باگ ڈور دوسرں

کے ہاتھ میں ہے، دوستو! یہ کتنی دل خراش حقیقت ہے کہ پردہ کے پیچھے سے ڈوری ہلائی جا رہی ہے، اور ہم مداری کے بندر کا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔

خدا ہمارے مسلمان عرب مؤرخوں کی قبر کو نور سے بھر دے۔ جنہوں نے ہمارے لئے اس جاوداں جملے کو محفوظ کر دیا۔ یہ جملہ ہمارے اسلاف کی بلند ہمتی اور قوت ایمانی کی سچی تصویر پیش کرتا ہے، جنہیں خدا نے اسلامی پیغام سے نوازا تھا اور انہیں اس پر فخر و ناز تھا اور وہ اسے ہر شئے سے افضل و برتر سمجھتے تھے، ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جو چیز اس سرچشمہ سے نہیں نکلتی یا اس سے اس کا رشتہ و تعلق نہیں اسکی نہ کوئی قدر و قیمت ہے نہ اس کو ثبات و دوام ہے۔

دوستو اور بھائیو! موجودہ تہذیبوں کے مقابلے میں، اور اس چیلنج کے مقابلے میں جو اس تہذیب اور موجودہ فلسفوں کی طرف سے ہوتا رہتا ہے، ہمارا بھی وہی موقف ہونا چاہیئے جو اس مرد مومن کا تھا، ہمارا موقف ایک بلند قامت الشان اور باعزت غیور اور خوددار شخص کی طرح ہونا چاہیئے جس کو اپنی شخصیت اور اپنے پیغام پر ناز ہو، جو اپنی عقل سوجھ بوجھ اور خداداد صلاحیتوں سے کام لیتا ہو، جو اس تہذیب کے تسلیم کرنے اور اس کے رد کرنے میں آزاد و مختار ہو، اس کی مفید و بے ضرر چیزوں کو (جو اس کے مقاصد اور قدروں سے میل کھاتی ہوں، اس کے منافی نہ ہوں بلکہ مزید قوت و طاقت پہنچاتی ہوں نہ کہ اس کے ڈھانچہ کو کمزور و کھوکھلا کرتی ہوں) اپنائے اور اسکی مضر چیزوں سے بے تعلق رہے، ان کے مقابلہ میں ہمارا موقف ایک بالشتیہ کا سا نہ ہونا چاہیئے جو خود اعتمادی کی دولت کھو چکا ہو، اور دولت ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہو، ہر قوت و طاقت کے سامنے سپر انداز ہو جاتا ہو، اسے زندگی سے عشق اور موت سے نفرت ہو، خطر پسند مہم جوئی اور حوصلہ مندی کی صلاحیتوں سے محروم ہو اور حقیقت پسندی، جدت آفرینی اور قیادت و پیشوائی کے جوہر سے خالی ہو، ایسا شخص موجودہ بے روح تہذیب کو اس طرح للچائی ہوئی نگاہ سے دیکھتا ہے، جیسے کوئی چھوٹا بچہ دامن کوہ میں کھڑا اس کی چوٹی کو دیکھ رہا ہو اور تمنا کرے کہ کاش اس پر چڑھ سکتا۔

میں اپنی گفتگو کا سلسلہ شاعر اسلام "ڈاکٹر محمد اقبال" کے شعر پر ختم کرتا ہوں جس میں انہوں نے اس پڑھے لکھے مسلم نوجوان کو مخاطب کیا ہے جو مغربی تہذیب سے مرعوب و مسحور ہو کر اپنی شخصیت کھو بیٹھا ہے اور اس کی وسعت و گہرائی اور اسرار و رموز اور خوابیدہ صلاحیتوں سے ناواقف ہو کر مادیت کا دلدادہ و شیدائی ہو گیا ہے اور موت کے خوف میں زندگی گذار رہا ہے۔ ذرا غور سے سنیئے اقبال کیا کہہ رہے ہیں ؎

بینی جہاں را خود را نہ بینی — تا چند ناداں غافل نشینی
نور قدیمی، شب را برافروز — دست کلیمی در آستینی
بیروں قدم نہ از دور آفاق — تو بیش زینی تو بیش ازینی
از مرگ ترسی اے زندہ جاوید — مرگ است صیدے تو در کمینی
جانے کہ بخشند دیگر نہ گیرند — آدم بمیرد از بے یقینی

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن ۔ ایم اے ۔ ایل ایل بی ۔ پی ۔ ایچ ۔ ڈی ۔ ایڈووکیٹ

مسلم ممالک میں اسلامی قانون سازی کی تحریکیں

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد تقریباً سوا سو سال تک مقدمات کے فیصلے قرآن پاک اور سنت نبوی کی راہ راست روشنی میں کئے جاتے تھے جن معاملات میں قرآن پاک یا سنت نبوی میں کوئی حکم موجود نہ ہوتا تو خلفاء راشدین کے فیصلوں اور صحابہ کرام کے آثار سے مدد لی جاتی تھی ، اگر یہ ممکن نہ ہوتا تو اجتہاد کو روبہ عمل لایا جاتا تھا ۔

لیکن ضابطہ بند (CODIFIED) مجموعہ قوانین نہ ہونے کے سبب انفرادی اجتہادات اور فتووں سے احکام میں اختلاف اور بے ضابطگی پیدا ہونے کا خدشہ لاحق ہونے لگا تھا اس کی جانب سب سے پہلے ابن المقفع (متوفی ۱۴۴ ہجری) نے جو اپنے علم و فضل کے سبب عہد عباسی میں خاص شہرت رکھتا تھا خلیفہ وقت ابوجعفر منصور کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں ایک مجموعہ قوانین کی تدوین کی ضرورت پر زور دیا جو ساری سلطنت میں نافذ کیا جا سکے لیکن بعض مصالح کی بناء پر ابن المقفع کی یہ تجویز عملی جامہ نہ پہن سکی ۔

دوسری صدی ہجری کے ربع ثانی میں امام ابوحنیفہ اور ان کی جماعت نے تدوین فقہ کے جس عظیم الشان کام کی بنیاد ڈالی تھی اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ علم فقہ نے حیرت انگیز ترقی کی اور فقہ کی کتابیں لکھی جانے لگیں لیکن اس کا ایک اثر یہ ہوا کہ قاضی قرآن و سنت سے براہ راست احکام مستنبط کرنے کے بجائے کتب فقہ کی طرف رجوع کرنے لگے ۔ فقہ کے احکام منتشر تھے ، اس پر طرہ یہ کہ مختصر متنوں (TEXTS) کی شرحیں اور شرحوں کی شرحیں ، حاشیے اور ضمیمے اور خلافیات کا ایک ایسا طولانی سلسلہ قائم ہو گیا کہ ایک قاضی کے لئے یہ امر نہایت رفت طلب بن گیا کہ وہ کتب فقہ کے انبار میں اصل مسئلہ کی تلاش و جستجو کر کے صحیح حکم معلوم کرنے ۔ ایک مسئلے میں ائمہ اور فقہا کے متعدد اقوال میں سے راجح قول معلوم کرنا اور بھی مشکل تھا ، اور یہ امر کہ کون سا قول مفتی بہ ہے ۔ اور کس مسئلے میں اجماع ہے ، معلوم کرنا ہر ایک قاضی کے بس کی بات نہ رہی ۔ زیادہ تر انحصار فتاویٰ کی

کتب پر ہونے لگا۔

مسلم ہندوستان | گیارہویں صدی ہجری میں حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ نے اپنی تخت نشینی کے چار سال بعد ایک شاہی فرمان کے ذریعہ فقہ اسلامی کو یہ مدون کرنے کا حکم جاری کیا چنانچہ ملک کے اطراف واکناف سے علماء اور فضلاء کا انتخاب کر کے ایک بورڈ بنایا گیا جس کے صدر شیخ نظام الدین برہان پوری تھے۔ علماء کی اس اس جماعت نے آٹھ سال کی مدت میں کافی جستجو اور محنت و کاوش کے بعد موضوعات اور مباحث کے لحاظ سے حنفی مذہب کے مطابق عبادات، مناکحات، معاملات اور عقوبات سے متعلق متعدد جلدوں پر مشتمل فقہی مسائل کا ایک جامع مجموعہ تیار کر دیا۔ جو فتاویٰ ہندیہ اور فتاویٰ عالمگیریہ کے نام سے مشہور ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کا یہ اقدام تدوین فقہ اسلام کی پہلی باضابطہ کوشش تھی۔ گو اس سے قبل متعدد فتاویٰ مرتب ہو چکے تھے لیکن جس صحت کے ساتھ فتاویٰ عالمگیری مرتب ہوا، اور جو شہرت و مقبولیت اس مجموعہ کو حاصل ہوئی کسی اور مجموعہ فتاویٰ کو نصیب نہ ہو سکی۔ یقیناً اس میں ان بزرگوں کے حسن نیت اور اخلاص کو بھی بڑا دخل ہے۔

ترکی | فقہ اسلام کی ضابطہ بندی کا آغاز اٹھارویں صدی عیسوی میں ہوا جب کہ سلطان ترکی نے ایک حکم کے ذریعہ ۱۸۶۹ء میں دیوانی قانون مرتب کرنے کے لئے سعادت پاشا کی سرکردگی میں ایک کمیٹی تشکیل کی اس کمیٹی نے ۱۸۷۶ء میں ترکی کے لئے مجلۃ "الاحکام العدلیہ" کے نام سے اسلامی دیوانی قانون مرتب کیا جو عام طور پر "مجلہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس مجلہ کے شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں فقہ کی تعریف اس کی اقسام اور فقہی قواعد کا ذکر ہے۔ ان قواعد کی تعداد ایک سو ہے۔ مقدمے کے بعد حسب ذیل سولہ باب ہیں:

۱۔ بیع	SALE	۲۔ اجارہ	HIRE	۳۔ کفالت	SECURITY
۴۔ تحویل	BAILMENT	۵۔ رہن	MORTGAGE	۶۔ امانت	TRUSTS
۷۔ ہبہ	GIFT	۸۔ غصب	USURPATION	۹۔ شفع	PRE-EMPTION
۱۰۔ شراکت	PARTNERSHIP	۱۱۔ کارندگی	AGENCY	۱۲۔ تصفیہ وابراء	COMPOSITION AND INDEMNITY
۱۳۔ اقرار	ACKNOWLEDGEMENT.	۱۴۔ دعویٰ	CLAIM	۱۵۔ شہادت وتحلیف	EVIDENCE AND OATHS
۱۶۔ قضاء	JUDGEMENT				

۱۸۵۱ دفعات پر مشتمل یہ قوانین جدید طرز پر دفعہ وار ترتیب دئے گئے اور ان کو بحیثیت قانون ملک میں نافذ کر دیا گیا لیکن افسوس، کمال اتاترک کے لائے ہوئے انقلاب کے بعد ۱۹۲۶ء میں ترکی حکومت نے سوئٹزرلینڈ کے قوانین اپنانے کا فیصلہ کیا اور اس طرح سوئس قوانین نے "مجلہ" کی جگہ لے لی، البتہ "مجلہ" آجکل ترمیم شدہ صورت میں جزوی طور پر فلسطین، عراق، سوریہ اور مشرق اردن میں بحیثیت دستور العمل نافذ ہے۔

ان دیوانی قانون کے علاوہ حکومت ترکی نے ۱۹۱۷ء میں قانون نکاح و طلاق مدوّن کیا جو "حقوق العائلہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اگرچہ یہ قانون حنفی مذہب کے مطابق تھا لیکن نکاح بالجبر، طلاق بالجبر اور طلاق بحالت نشہ کے مسائل میں مالکی مذہب کا اتباع کیا گیا۔

مصر | وسیع پیمانے پر اسلامی قانون سازی کی جدید تحریکوں میں مصر کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ مصر میں شخصی قانون کی تقنین کا کام سب سے پہلے ۱۹۱۵ء میں شروع ہوا جس کی تدوین کے لئے مذاہب اربعہ کے علماء پر مشتمل ایک بورڈ بنایا گیا۔ اس بورڈ نے چند سال کی محنت سے ایک مسوّدہ قانون مرتب کیا لیکن جب وہ مسودۂ قانون شائع کیا گیا تو ہر طرف سے اعتراضات کئے گئے اور حکومت نے اسے بحیثیت قانون نافذ کرنے کا خیال ترک کر دیا۔

۱۹۲۰ء میں حکومت مصر نے پھر ایک کمیشن مقرر کیا جس میں شیخ الازہر، رئیس محکمہ العالیہ شرعیہ اور مفتی مصر وغیرہ شامل تھے۔ اس کمیشن نے اسی سال عائلی قانون سے متعلق چند امور کے بارے میں بطور اصلاح اپنی سفارشات پیش کر دیں، جن کو بحیثیت قانون نافذ کر دیا گیا۔ اس قانون سے قبل مصر میں ضابطہ تنظیم عدالت ہائے شرعیہ مجریہ ۱۹۱۰ء کی دفعہ ۲۸۰ کے تحت شخصی (PERSONAL) معاملات میں امام ابوحنیفہ کے مفتیٰ بہ قول پر عمل درآمد ہوتا تھا، لیکن ۱۹۲۰ء کے اس قانون کے ذریعہ اس دفعہ میں ترمیم کر دی گئی اور نان نفقہ عدت اور مفقود الخبری کے مسائل میں امام مالک و امام شافعی کے مذاہب کے مطابق عمل درآمد کیا جانے لگا۔

اس قانون کے تحت بعض اہم تبدیلیاں حسب ذیل ہیں :-

۱۔ حنفی فقہ کی رو سے عورت شوہر سے زمانہ گذشتہ کے نفقہ کا مطالبہ نہ کر سکتی تھی الّا یہ کہ وہ مطالبہ عدالت کی کسی ڈگری کی بناء پر ہو یا باہم ایسی کوئی قرار داد موجود ہو۔ قانون ہذا کے ذریعہ شافعی فقہ کی پیروی میں زوجہ کے نفقہ کو ایک قرض قرار دیا گیا، اور جس وقت سے شوہر انکاری ہو قابل ادا قرار دیا تھا۔

۲۔ اسی طرح اگر مرد عورت کو نفقہ دینے سے عاجز ہو تو عورت کو بذریعہ عدالت تفریق کا اختیار دیا گیا۔ نیز شوہر کے ایسے مستقل مرض کے سبب جس سے چھٹکارہ ممکن نہ ہو یا جس کے اچھے ہونے میں ایک طویل عرصہ درکار ہو مالکی مذہب کے اتباع میں عورت کو طلب طلاق کا اختیار دیا گیا۔

۳۔ اسی طرح چار سال تک شوہر کے مفقود الخبر رہنے کی صورت میں عورت کو بذریعہ عدالت طلب طلاق کا حق دیا گیا۔

اس کے بعد ۱۹۲۹ء میں حکومت مصر نے ایک اور قانون منظور کیا جس میں طلاق بحالت نشہ اور طلاق جبریہ کو باطل اور طلاق بالکنایہ کو غیر نافذ قرار دیا گیا، الّا یہ کہ طلاق دینے کی نیّت ہو۔ سوائے طلاق

قبل دخول ، طلاق علی المال یعنی خلع اور تین طلاق کے جن کی تکمیل تین طہروں میں کی گئی ہو ہر طلاق کو طلاق رجعی قرار دیا گیا۔ نیز شوہر کے ایک سال سے زائد مفقود الخبر ہونے یا تین سال سے زائد قید کی صورت میں زوجہ کو طلب طلاق کا حق دیا گیا۔ نسب اولاد ، نفقہ ، عدت ، مہر ، حضانت (CUSTODY OF CHILDRIN) وغیرہ کے بارے میں بھی احکام جاری کئے گئے۔

۱۹۴۳ء میں قانون میراث اور ۱۹۴۶ء میں قوانین وقف اور وصیت نافذ کئے گئے جس کے بعض احکام حنفی مذہب سے مختلف ہیں اور آج صورت یہ ہے کہ مصر میں عائلی قانون " احکام الشرعیہ فی الاحوال الشخصیہ " کے نام سے دفعہ وار مدون شکل میں موجود ہیں جسکی متعدد شرحیں لکھی جاچکی ہیں۔ ان میں اسکندریہ یونیورسٹی کے پروفیسر عمر عبداللہ کی شرح جو " دار المعارف " مصر سے شائع ہوئی ہے ، شامل ہے۔

مزید براں دیوانی قوانین کی تدوین کے لئے بھی ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۸ء میں کمیٹیوں کی تشکیل کی گئی ، آخری کمیٹی ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری کی زیر قیادت تھی اس کمیٹی نے دو سال میں اپنا کام مکمل کرکے حکومت کو رپورٹ پیش کردی۔ چنانچہ اس وقت مصر میں جو دیوانی قوانین نافذ ہیں ان میں شریعت اسلامیہ سے لئے گئے ہیں۔ البتہ فوجداری قوانین " حدود " جاری نہیں کی گئیں۔ اس موضوع پر عبدالقادر عودہ کی کتاب " التشریع الجنائی " مصری فوجداری قانون پر ایک اچھی تنقیدی کتاب ہے۔

شام | ملک شام میں " قانون العدنی " ۱۸ مارچ ۱۹۳۹ء سے نافذ العمل ہے۔ البتہ عائلی قانون میں ۱۳۳۶ھ میں بربنائے ضرورت مذاہب اربعہ سے احکام اخذ کئے گئے اور بغرض اصلاح انہیں قانون کی شکل دی گئی۔ ان احکام میں تنگی نفقہ اور شوہر کے مرض کہنہ مثلاً جنون ، جذام اور سل وغیرہ کے لاحق ہوجانے پر عدالتوں کو فسخ نکاح کا اختیار دیا گیا۔ نیز شوہر کے عام حالات میں چار سال تک اور زمانہ جنگ میں ایک سال تک مفقود الخبر رہنے کی صورت میں بھی فسخ نکاح کا اختیار دیا گیا۔

اس کے بعد شام کی وزارت عدل نے ۲۳ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو پروفیسر طنطاوی کو مسلمانوں کے شخصی قانون کی تدوین (CODIFICATION) کے کام پر مامور کیا۔ پروفیسر موصوف نے ۱۹۴۸ء میں ایک مسودہ قانون حکومت کو پیش کردیا جسے حکومت نے ۲۳ جولائی ۱۹۴۹ء کو ۵ افراد پر مشتمل ایک کمیشن کے سپرد کردیا جس کے ایک رکن پروفیسر موصوف بھی تھے۔ اس کمیشن نے پروفیسر مذکور کے تدوین کردہ قانون پر نظرثانی کی اس کے بعد ۲۶ دسمبر ۱۹۵۱ء کو ایک دوسرے کمیشن کا تقرر عمل میں آیا جس کو یہ کام تفویض کیا گیا کہ مذکرہ قانون پر توضیحی نوٹ لکھے۔ اس کمیشن نے اپنا کام مکمل کرکے وزارت عدل کو پیش کردیا۔ اس کو قانونی شکل دینے سے قبل شائع کردیا۔ چونکہ اس میں بعض امور میں حنفی مذہب کے خلاف قانون سازی کی گئی تھی اس لئے اسکی

مخالفت کی گئی۔ بالآخر بعض دفعات پر نظر ثانی کے بعد ۱۷ ستمبر ۱۹۵۲ء کو "قانون الاحوال الشخصیہ" کے نام سے شخصی قانون نافذ کر دیا گیا، اس قانون کی متعدد شرحیں لکھی گئیں جن میں دمشق یونیورسٹی کے پروفیسر مصطفیٰ السباعی (مرحوم) کی شرح کافی مشہور ہے۔ یہ شرح سوریہ یونیورسٹی نے شائع کی ہے۔

اس قانون کے ذریعہ اہلیت نکاح کی عمر کا تعین کر دیا گیا۔ جو لڑکی کے لئے ۱۷ سال اور لڑکے کے لئے ۱۸ سال ہے۔ لیکن اگر لڑکی ۱۳ سال کی ہو اور لڑکا ۱۵ سال کا ہو اور دونوں نکاح کرنا چاہیں اور ان کے ولی معترض نہ ہوں تو قاضی انہیں نکاح کرنے کی اجازت دے سکتا ہے، بشرطیکہ وہ جسمانی طور پر اس کے متحمل ہو سکتے ہوں۔ نکاح کے لئے قاضی سے اجازت لینا ضروری قرار دیا گیا۔ اجازت کی درخواست کے ساتھ صداقت نامہ طبی (عمر اور صحت کے بارے میں) دینا لازمی قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح نکاح ثانی کے لئے بھی اجازت ضروری قرار دی گئی البتہ اجازت مرد کی مالی استطاعت پر موقوف کر دی گئی ہے۔

طلاق بحالت نشہ، طلاق بالکنایہ، طلاق رجعی وغیرہ کے احکام میں مصری قانون کے مانند تدوین کی گئی چنانچہ امام مالک اور امام شافعی کے مذہب کے مطابق ایک وقت میں تین یا اس سے زیادہ مرتبہ طلاق دینے کی صورت میں ایک ہی تسلیم کی گئی، جیسا کہ رسول اللہ کے زمانے میں عمل تھا چنانچہ طلاق بالمال یعنی خلع اور طلاق متمم للثلاث کے علاوہ باقی تمام طلاقوں کو طلاق رجعی کے حکم میں داخل کیا گیا۔ اسی طرح مرد کی عدم قدرت نفقہ کی صورت میں امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے مذاہب کے مطابق عورت کو طلب تفریق کا حق دیا گیا۔

نسب اولاد کے ضمن میں احناف کے اس نقطہ نظر سے اختلاف کرتے ہوئے کہ حمل کی مدت دو سال تک ہو سکتی ہے۔ مالکیہ مذہب کے اتباع میں مدت حمل کو ایک سال شمسی بطور آخری مدت کے مقرر کیا گیا۔

وصیت کے احکام میں بھی کئی تبدیلیاں کی گئیں۔ چنانچہ مالکی مذہب کے مطابق شخص معدوم کے لئے وصیت کو جائز قرار دیا گیا۔

وصیت کے باب میں اہم تر امر یہ ہے کہ امام ابن حزم اندلسی کے قول سے استنباط کرتے ہوئے اولاد محروم کے لئے یعنی ایسی اولاد جس کا باپ اس کے دادا کی حیات میں فوت ہو جائے وصیت کرنا واجب قرار دیا گیا، جس کی مقدار اتنی ہونی چاہئے جتنی کہ اس کے باپ کو ملتی ہے اگر وہ دادا کی موت کے وقت بقید حیات ہوتا۔

وراثت کے سلسلے میں بھی شافعی قانون میں متعدد تبدیلیاں کی گئیں۔ حضرت زید و ابن مسعود کے طریق کے مطابق بھائی دادا کے ساتھ متوفی کے ورثے میں حقدار قرار دیا گیا۔ اسی طرح وراثت حمل صرف اس

صورت میں معتبر قرار دی گئی جب کہ مدتِ حمل ایک سال ہو۔

تونس | تونس میں شخصی قانون سازی کی ابتدا ۱۳ اگست ۱۹۵۶ء کو ایک فرمان کے ذریعہ ہوئی جس کا نفاذ یکم جنوری ۱۹۵۷ء سے ہوا۔ تونس کے عائلی قانون کے تحت مرد اور عورت کی عمر نکاح کا تعین کر دیا گیا ہے۔ جو بالترتیب ۱۸ اور ۱۵ سال ہے۔ البتہ قاضی کو اس امر کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اس عمر سے پہلے بھی شادی کی اجازت دے سکتا ہے، بشرطیکہ طرفین یا ان میں سے کوئی ایک (جیسی بھی صورت ہو) اپنے جسمانی بلوغ کا ثبوت پیش کریں۔ تعدد ازدواج کو قطعاً ممنوع قرار دے دیا گیا۔ بصورتِ خلاف ورزی ایک سال قید یا ۲ لاکھ چالیس ہزار فرانک جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں۔ تونس کے قانون کی رو سے شوہر کو حق طلاق استعمال کرنے کے لئے عدالت سے رجوع کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ چنانچہ عدالت کے علاوہ کوئی طلاق جائز نہیں ہو سکتی۔ شوہر کے مفقود الخبر ہونے کی صورت میں بہ زمانہ جنگ دو سال بعد عورت کو طلاق کا حق دیا گیا ہے۔ لیکن عام حالات میں مدت کا انحصار قاضی کی رائے پر منحصر ہے۔

تونس کے عائلی قانون میں مالکی اور حنفی فقہ کا امتزاج پایا جاتا ہے۔

لبنان | لبنان میں بھی دولتِ عثمانیہ کا مرتب کردہ "مجلہ الاحکام العدلیہ" نافذ تھا، لیکن فرانس کے زیر اثر ہونے کی بنا پر آہستہ آہستہ اس کی جگہ دوسرے قوانین نے لے لی اور بالآخر ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۴ء سے ایک نئے دیوانی قانون پر عمل درآمد شروع ہوا جس کا مسودہ پروفیسر لوئی آلس نے تیار کیا تھا۔ اس قانون کے ذریعے مجلہ کے تمام احکام اور وہ احکام شرعیہ جو اس قانون کے خلاف یا ناموافق تھے منسوخ کر دئے گئے جس کے نتیجے میں بجز چند دفعات کے "مجلہ" کے تمام احکام منسوخ ہو گئے، لیکن مسلمانوں کے احتجاج پر حکومت لبنان نے بذریعہ آرڈیننس مورخہ ۴ نومبر ۱۹۴۲ء سنی اور شیعہ مذہبی عدالتوں کی تنظیم کی۔ جن کو شخصی معاملات نکاح طلاق، مہر وغیرہ کی سماعت کا اختیار دیا گیا۔ نیز شخصی معاملات میں اپیلیں سننے کا حق عدالت عالیہ سے لے کر شرعی عدالت اپیل (مرافعہ) کو دے دیا گیا۔ جو نئی قائم کی گئی تھی۔

لبنان کا شرعی قانون حنفی اور جعفری فقہ پر مبنی ہے۔

عراق | عراق کی وزارتِ انصاف نے ۱۹۴۵ء میں "لائحۃ الاحوال الشخصیہ" کے نام سے ایک قانون منظور کیا لیکن اس میں شخصی قانون سے متعلق تمام احکام جمع نہیں ہیں، ان احکام کا بڑا حصہ شیعہ مذہب پر مبنی ہے اور سنیوں کے لئے جو قانون وضع کیا گیا ہے وہ بڑی حد تک قدری پاشا کے وضع کردہ قانون کا خلاصہ ہے جس کی بنیاد امام ابوحنیفہ کے مذہب پر رکھی گئی ہے، البتہ عائلی قانون کے متذکرہ مسائل میں جدید ترمیمات کو سمو دیا گیا ہے۔

ایران انقلاب مشروطیت کے بعد مظفر الدین شاہ قاچار نے ایران میں آئینی حکومت کا اعلان کیا اور ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء عیسوی میں ایک فرمان کے ذریعہ آئینی حکومت قائم ہو گئی۔ ایران کی مجلس شوریٰ نے ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء کو اپنا قانون اساسی منظور کیا۔ مجلس ملی ایران نے رضا شاہ پہلوی کے برسر اقتدار آنے کے بعد ملک کے نئے زمانے کے تقاضوں کے پیش نظر قانون سازی کا آغاز کیا۔ اور قضائی، دیوانی، فوجداری جزائی اور فرہنگی و اقتصادی قوانین وضع کئے۔ ایران کے عائلی قوانین پر ایک سیر حاصل کتاب ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد نے فیملی لاء آف ایران کے نام سے شائع کی ہے جسے ڈاکٹر علی رضا نقوی نے بڑی محنت اور سلیقہ سے مرتب کیا ہے۔

سنگاپور سنگاپور گو اسلامی ملک نہیں ہے۔ لیکن وہاں بھی اس جانب قدم بڑھایا گیا۔ چنانچہ سنگاپور میں ۳۰ اگست ۱۹۵۷ء کو مسلم آرڈی نینس نافذ کیا گیا جس کے تحت شرعی عدالتیں قائم کی گئیں جنہیں طلاق رجسٹر کرنے کا اختیار دیا گیا۔ مسلمانوں کے نکاح و طلاق کے قواعد (MUSLIM MARRIAGE & DIVORCE RULES) مجریہ ۱۹۵۹ء کے تحت یہ صراحت کر دی گئی کہ رضامندی کی صورت میں ہر دو فریق مقررہ فارم پر طلاق کی حلفیہ درخواست پیش کریں گے اور طلاق کے رجسٹر پر دستخط کریں گے۔ اگر طلاق کے سلسلے میں نزاع ہو، یعنی عورت تفریق کی طالب ہو تو اس کے تصفیہ کا اختیار شرعی عدالتوں کو دیا گیا۔ شرعی عدالتوں میں وکلاء کو پیروی کا اختیار دیا گیا ہے، ان کے فیصلوں کی اپیلوں کی سماعت کے لئے ایک اپیل بورڈ قائم کیا گیا جس کے ارکان کا مسلمان ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے (افسوس ہے کہ پاکستان جو ایک اسلامی جمہوریہ ہے جس کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ اس کے قانون میں اس قسم کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ کہ کم از کم مسلمانوں کے شخصی معاملات کا تصفیہ صرف ایسی عدالتیں کریں گی۔ جس کے ارکان مسلمان ہوں گے۔)

برصغیر ہند و پاکستان انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کر لینے کے بعد جب عدالتی نظام بحال کیا تو انہوں نے بذریعہ قانون یہ اعلان کر دیا کہ وہاں کے باشندوں کو اپنے شخصی معاملات یعنی شادی، وراثت، وصیت وغیرہ میں اپنے اپنے مذہبی قانون کے مطابق عمل کرنے میں پوری آزادی حاصل ہو گی۔ چنانچہ عدالتوں کے ذریعہ بڑی حد تک شخصی معاملات میں اسلامی قانون رائج اور نافذ رہا البتہ زمانہ کی بدلتی ہوئی ضرورتوں کے پیش نظر ۱۹۱۹ء میں قانون امتناع ازدواج اطفال ——— (CHILD MARRIAGE RESTRAINT ACT) کے ذریعہ نابالغوں کی شادیوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔ نیز ۱۹۳۹ء میں قانون انفساخ ازدواج مسلمانان منظور کیا گیا جس کے تحت مسلمان عورتوں کے اس حق کو تسلیم کرتے ہوئے کہ شرع کے مطابق کسی بھی سبب کی بناء پر انہیں طلب تفریق کا حق حاصل ہو گا۔ چند وجوہ و اسباب کو مدوّن کر دیا گیا جو بلا لحاظ اس امر کے کہ وہ عورت یا مرد

کس فرقے یا مسلک سے تعلق رکھتا ہے، تمام مسلمانوں پر نافذ العمل قرار دیا گیا۔ اس قانون کے تحت اہم ترین امر امام مالک کے مذہب کی مطابقت میں عورت کا فسخ نکاح کا وہ حق تھا جو اس کے شوہر کے چار سال تک مفقود الخبر رہنے کی صورت میں اس کو دیا گیا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد ۴ر اگست ۱۹۵۵ء کو حکومت پاکستان نے سات افراد پر مشتمل عائلی قوانین کے سلسلے میں ایک کمیشن مقرر کیا جس کے صدر ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین تھے۔ ڈاکٹر مذکور کی ناگہانی وفات کے بعد پاکستان کے چیف جسٹس عبدالرشید صاحب ۲ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کو اس کمیشن کے صدر نامزد کئے گئے اس کمیشن نے اپنی رپورٹ جون ۱۹۵۶ء میں حکومت کو پیش کر دی جو ۳۰ جون ۱۹۵۶ء کے گزٹ میں شائع کی گئی۔ علماء کی سخت تنقید کے پیش نظر اس رپورٹ کو ایک عرصے تک قانون کی شکل نہ دی جا سکی۔ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو ایک خاموش فوجی انقلاب کے ذریعہ دستوری حکومت ختم ہو گئی اور ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ ۱۵ر جولائی ۱۹۶۱ء کو انجمن خواتین پاکستان کے اصرار پر صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے اس کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں ملک میں عائلی قوانین آرڈیننس نافذ کر دیا۔ اس آرڈیننس میں نکاح کا رجسٹریشن لازمی قرار دیا گیا۔ دوسری شادی پر حکومت کے مقرر کردہ ادارے کی اجازت اور پہلی بیوی کی رضامندی لازمی قرار دی۔ طلاق کو بھی طلاق رجعی کے حکم میں داخل کر دیا گیا، اور اس کے نفاذ کے لئے یونین کونسل کے چیئرمین کو طلاق کی اطلاع دینے کے بعد سے تین ماہ کی مدت مقرر کر دی گئی۔ پاکستانی عائلی قوانین کے تنقیدی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو، مجموعہ قوانین اسلام جلد اوّل و دوم مؤلفہ راقم الحروف، شائع کردہ ادارۂ تحقیقات اسلامی اسلام آباد۔

وراثت کے باب میں یتیم پوتے کی وراثت کے حق کو جو پہلے محروم الارث قرار پاتا تھا۔ دادا کے ترکے میں اپنے باپ کے حصّے کے بقدر وارث قرار دیا گیا۔ نیز نواسے اور نواسیوں کو بھی حقدار قرار دیا گیا جو شریعت کے قانون وراثت میں بالکل ایک نئی چیز ہے۔ مہر کے باب میں بھی یہ تصریح کر دی گئی کہ اگر نکاح نامے یا معاہدے شادی میں حق مہر کی ادائیگی کے طریقہ کار کے متعلق کوئی تفصیل موجود نہ ہو تو کل مہر معجل قرار پائے گا۔

راقم الحروف نے ۱۹۶۴ء میں ایک مجموعۂ قوانین اسلام کی تالیف و تدوین کے کام کا آغاز کیا۔ یہ منصوبہ دس جلدوں کا ہے، جس میں عائلی، دیوانی اور فوجداری قوانین شامل ہیں۔ الحمد للہ اسکی تین جلدیں شائع ہو گئی ہیں جو قوانین ازدواج، نفقہ، مہر، نسب اولاد اور وقف وغیرہ پر مشتمل ہیں، چوتھی جلد جو قانون وصیت سے متعلق ہے، عنقریب شائع ہونے والی ہے۔ (انشاء اللہ) اس مجموعہ میں برصغیر ہند و پاک میں پہلی بار قوانین اسلام کو ضابطہ بند (CODIFY) کیا گیا ہے۔

جدید اسلامی قانون سازی کا ایک اصول | اسلامی قانون سازی کی ان تحریکوں کا اگر دقت نظر سے جائزہ

باقی صہ ۲۹ پر

جناب سید نفیس رقم۔ لاہور

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے آخری سفرِ پنجاب کی روح فرسا رُوداد

عبرت انگیز نتائج — ثقہ راویوں کی زبانی

پندرہ بیس برس پیشتر حضرت مفتیِ اعظم مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف "اُسوۂ حسینی" نظر سے گزری۔ یہ کتاب ریحانۃ النبی حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حالاتِ مبارک اور واقعاتِ شہادت پر مشتمل ہے۔ آخر میں قاتلانِ جگر گوشۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انجامِ نا فرجام کا ذکر کیا ہے۔ امام زہریؒ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ "جو لوگ قتلِ حسینؓ میں شریک تھے، ان میں سے ایک بھی نہیں بچا جسکو آخرت سے پہلے دنیا میں سزا نہ ملی ہو۔"

چند مثالیں پیش کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"ابن جوزی نے سدی سے نقل کیا ہے، کہ انہوں نے ایک شخص کی دعوت کی۔ مجلس میں یہ ذکر چلا کہ حسینؓ کے قتل میں جو بھی شریک ہوا اس کو دنیا میں بھی جلد سزا مل گئی۔ اس شخص نے کہا کہ بالکل غلط ہے۔ میں خود ان کے قتل میں شریک تھا۔ میرا کچھ بھی نہیں بگڑا۔ یہ شخص مجلس سے اٹھ کر گھر گیا۔ جاتے ہی چراغ کی بتی درست کرتے ہوئے اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی اور وہیں جل بھن کر رہ گیا۔ سدی کہتے ہیں، میں نے خود اس کو صبح دیکھا تو کوئلہ ہو چکا تھا۔"

ص ۱۰۱، ص ۱۰۲

اللہ کے جو بندے اپنی تکلیف پر اپنا معاملہ اپنے اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں سے شدید انتقام لیتا ہے۔ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَام۔

نہ جا اس کے تحمل پہ کہ بے ڈھب ہے گرفت اس کی
ڈر اسکی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا

ہمارے عہد کو بھی ایک حسین عطا کیا گیا جس کا نسبی و حسبی رشتہ شہیدِ کربلا سیدنا حسینِ اوّل

رضی اللہ عنہ سے پیوست ہے۔ یعنی شیخ الاسلام حضرۃ مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ ــــ اس حسینِ ثانی پر مصیبتوں کے بڑے بڑے پہاڑ ٹوٹے لیکن اس کوہِ عزم و استقلال کو جنبش تک نہ ہوئی۔ مخالفوں نے کیسے کیسے تیر اُن پر برسائے، لیکن ان کا چہرہ متبسم ہی رہا۔ حریفوں نے طرح طرح کی تکلیفیں دیں لیکن اُن کے لب پہ حرفِ شکایت تک نہ آیا۔

انہوں نے اپنی عمر عزیز استخلاصِ وطن اور سربلندیٔ اسلام کی جدوجہد میں گزاری۔ انگریز اور اُس کے رضاکار ہمیشہ اُن کی مخالفت میں زبان دراز رہے، لیکن اس مجاہدِ دین وملت اور غازیٔ سربکف نے آنکھ تک اٹھا کر نہ دیکھا کہ یہ کوتاہ بین و کور باطن کیا کہہ رہے ہیں۔

میدانِ عزیمت کا یہ شہسوار محمدی علم لہرائے آگے بڑھتا ہی چلا گیا۔ راستے کی تاریکی اس کے انوارِ شریعت وطریقت سے چھٹ گئی۔ اس کا راستہ روکنے والوں کو غبار کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا، اور کانٹے بچھانے والوں کو خود اُسی راستے سے گزرنا پڑا۔ چاہ کن را چاہ درپیش۔

ایک ہندی دوہا جو غالباً عبدالرحیم خانخاناں کا ہے، حسبِ حال نظر آتا ہے ؎

جو توُ کو کانٹا بوئے تاہی بوئے توُ پھوُل
توُ کو پھوُل کے پھوُل ہیں واکو ہیں ترسُول

ترجمہ:۔ جو تیرے لئے کانٹے بوئے تو اس کے لئے پھول بو، تیرے لئے تو پھوُل کے پھوُل ہیں اور اس کے لئے تین تین نوک والے کانٹے۔

حضرت مدنی قدس سرہٗ عفو و درگذر کا پیکر تھے۔ انہوں نے اپنے مخالفوں کے لئے کبھی بددعا نہیں فرمائی بلکہ دعائے نیم شبی میں سب کے لئے اپنے مالک سے فضل و انعام اور عفو و مغفرت مانگتے رہے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ کے حالات و واقعات اکثر وبیشتر سننے میں آتے رہے ہیں۔ راقم سطور نے جناب عطاء الحق و حافظ عبدالرحمٰن جالندھری۔ (حال مقیم محلہ گورو نانک پورہ لائل پور) جو سیدی و مولائی قطب الارشاد حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ (م ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) سے تعلق بیعت رکھتے ہیں۔ کی زبانی بعض ناخوشگوار واقعات کئی مرتبہ سُنے۔ ان واقعات کے وہ ثقہ راوی ہیں نتائج کے بارے میں اُن کی حیثیت عینی گواہوں کی ہے۔ گذشتہ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ میں ان واقعات کو سپردِ قلم کرنے کی نوبت آگئی۔ بھائی عطاء الحق بیان کرتے گئے اور میں قلمبند کرتا چلا گیا۔ یہ واقعات حقیقت ہیں افسانہ نہیں۔ قارئین ملاحظہ فرمائیں گے کہ جگر گوشۂ رسول ؐ کی توہین کرنے والوں کا حشر کیا ہُوا۔

تقسیم برصغیر (اگست ۱۹۴۷ء) سے چند ماہ پیشتر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ دیوبند سے پنجاب تشریف لائے، مختلف شہروں میں رونق افروز ہوئے۔ مقصد سفر پورا کرنے کے بعد لاہور سے کالکا میل میں سوار ہوئے، اسی گاڑی سے مشہور مسلم لیگی لیڈر راجہ غضنفر علی خان کے سفر کا پروگرام تھا، اتفاقاً اس کا سفر ملتوی ہوگیا، لیکن پروگرام کے مطابق ہر اسٹیشن پر مسلم لیگی کارکن استقبال کے لئے موجود تھے۔

جب گاڑی امرتسر ریلوے اسٹیشن پر پہنچی تو مسلم لیگی کارکن راجہ غضنفر علی کو تلاش کرنے لگے۔ ریلوے گارڈ نے کارکنوں کو بتایا کہ راجہ صاحب کا پروگرام ملتوی ہوگیا ہے، وہ اس گاڑی سے سفر نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی اس نے شرارتاً انہیں بتایا کہ اس گاڑی کے فلاں ڈبے میں مولانا حسین احمد مدنی سفر کر رہے ہیں۔ اس پر وہ تمام مسلم لیگی کارکن اس ڈبے کے سامنے جا کھڑے ہوتے اور حضرت کے خلاف نعرہ بازی اور ہلڑبازی شروع کردی۔ ٹماٹر وغیرہ ان پر پھینکنے لگے، اتفاقاً امرتسر ہی کا ایک نوجوان عبدالرشید اپنا مال بک کرانے کی غرض سے سٹیشن پر آیا ہوا تھا۔ اس نے ایک ڈبے کے پاس ہجوم دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک بزرگ کے ساتھ یہ لوگ نہایت بدتمیزی کر رہے ہیں، وہ حضرت مدنیؒ کو جانتا بھی نہیں تھا۔

بھائی عطاء الحق صاحب کو یہ واقعہ خود عبدالرشید نے پنڈی میں سنایا۔ عبدالرشید، امرتسر میں فروٹ کا کمیشن ایجنٹ تھا، وہ تقسیم ملک کے بعد راولپنڈی میں مقیم ہوا، یہاں بھی وہ یہی کاروبار کرتا تھا، عبدالرشید نہایت صحتمند نوجوان تھا۔ اس نے جان پر کھیل کر حضرت اقدس مدنیؒ کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا۔ مجمع ڈبے کے اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا، عبدالرشید ڈبے کے دروازے میں پائدان پر ڈٹ کر کھڑا ہوگیا۔ مسلم لیگی مجمع اس پر ٹوٹ پڑا اور اس کو بیدریغ زدوکوب کیا حتیٰ کہ اس کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے لیکن اس مرد مجاہد نے حضرت مدنیؒ کی طرف ہجوم کو بڑھنے نہ دیا۔ حتیٰ کہ گاڑی چل پڑی، اور وہ پلیٹ فارم پار کرنے کے بعد گاڑی سے چھلانگ لگا کر نیچے اترا۔

جب یہ گاڑی جالندھر ریلوے سٹیشن پر پہنچی، یہاں کے مسلم لیگی کارکن بھی راجہ غضنفر علی خان کے استقبال کے لئے پلیٹ فارم پر موجود تھے۔ گاڑی رکتے ہی گارڈ نے انہیں راجہ کے پروگرام کے التوا کی خبر دی، اور حضرت مدنیؒ کی نشاندہی کی جس پر وہ مجمع حضرت کے ڈبے پر جا پہنچا، اور وہی طوفان بدتمیزی شروع کر دیا، اس مجمع کے سرغنہ تین مسلم لیگی نوجوان شمس الحق عرف شمی، فضل محمد، اور فتح محمد تھے۔

فضل محمد اور فتح محمد جالندھر کے محلہ پرانی کچہری اور شمس الحق عرف شمی محلہ عالی کا رہنے والا تھا، انہوں نے حضرت اقدس مدنیؒ کی توہین میں کوئی کسر نہ چھوڑی، گالیاں دیں، گندی چیزیں پھینکیں، حضرت کا تکیہ چھینا، ٹوپی بھی اتار پھینکدی، ریش مبارک نوچی اور شمی نے تھپڑ بھی مارا۔ حضرت مدنیؒ صبر جمیل کی مجسم صورت بنے بیٹھے

تھے، حضرت کے ساتھ ایک خادم بھی تھا، وہ اس صورت حال کو برداشت نہ کر سکا۔ اس نے مزاحمت کا ارادہ کیا، تو حضرت نے اسے منع فرمایا کہ تم خاموش رہو، اگر تم یہ برداشت نہیں کر سکتے تو دوسرے ڈبے میں چلے جاؤ۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ اتنے میں گاڑی چلدی اور مسلم لیگی کارکن اپنے اپنے گھروں کو واپس آگئے۔

صبح کو ان مسلم لیگی کارکنوں نے فخریہ انداز میں رات کا واقعہ اپنے محلہ پرانی کچہری میں بیان کیا، اس محلہ میں خانقاہ عالیہ رائے پور (ضلع سہارنپور) سے تعلق رکھنے والوں کا ایک نہایت با اثر حلقہ تھا، یہاں قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری اور حضرت منشی رحمت علی صاحب قدس سرہما کی تشریف آوری ہوتی تھی، ان لوگوں نے جب حضرت اقدس مدنیؒ کی توہین کا روح فرسا واقعہ سنا تو ان پر اس کا نہایت شدید اثر ہوا، عبدالحق بن چوہدری فضل محمد (حال مقیم گلی ۱۲ محلہ گورونانک پورہ لائلپور) نے فتح محمد کی زبانی گستاخانہ کلمات سنے تو وہ برداشت نہ کر سکے، انہوں نے موقع پر ہی اس کا گریبان پکڑ لیا۔ اور کہا کہ اب بتاؤ رات کیا قصہ ہوا تھا، اور ساتھ ہی زور دار تھپڑ بھی اسے رسید کر دئے۔ جس پر فتح محمد جو فخریہ اپنا کارنامہ بیان کر رہا تھا، ساکت ہو گیا، اور اسے جرأت نہ ہو سکی کہ وہ کوئی بات کر سکے، اتنے میں چوہدری امام الدین صاحب (والد بھائی عطاء الحق صاحب) بھی آگئے، انہیں جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے اپنا جوتا اتار لیا اور فتح محمد کی خوب پٹائی کی۔ حتیٰ کہ فتح محمد نے ہاتھ جوڑ کر ان سے معافی مانگی۔ چوہدری امام الدین صاحب نے تنبیہ عام کر دی کہ اگر کسی نے ہمارے بزرگوں کے خلاف زبان درازی کی تو اس کا حشر برا ہوگا۔ ہم اسے کیفر کردار تک پہنچا کر چھوڑیں گے۔

دوسرے سرغنہ فضل محمد کا حشر یہ ہوا کہ وہ رات کو جب اپنے گھر واپس پہنچا تو اسے بخار ہو گیا۔ صبح بیدار ہوا تو اسکی پشت پر دو پھوڑے (دنبل) ظاہر ہوئے، جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پھر چارپائی سے اٹھنے کے قابل نہ رہا۔ اور سخت تکلیف میں کراہتا تھا۔ پانچ چھ روز کے بعد چوہدری امام الدین نے اسکی والدہ سے جو دکان پر سودا خریدنے کے لئے آئی تھی، پوچھا کہ فضل کئی روز سے نظر نہیں آیا۔ اس نے بتایا کہ وہ سخت بیمار ہے، اسکی پشت پر پھوڑے نکل آئے ہیں ——— بھائی عطاء الحق صاحب کا بیان ہے کہ پھوڑوں میں کیڑے پڑ گئے اور انہوں نے جسم کو کھانا شروع کر دیا۔ پھوڑے تین انچ قطر سے کم نہیں تھے، ڈاکٹروں نے یہ تجویز کیا کہ ان ناسوروں میں روزانہ قیمہ بھر دیا جائے، تاکہ کیڑے جسم کو نہ کھائیں، چنانچہ روزانہ پاؤ پاؤ بھر قیمہ ان دونوں ناسوروں میں بھرا جاتا تھا، دن بھر میں کیڑے اسکو کھا جاتے تھے، دوسرے روز نئے سرے سے قیمہ بھرا جاتا تھا ——— چند ماہ بعد ملک تقسیم ہو گیا۔ اور آبادیوں کا تبادلہ شروع ہوا۔ محلہ پرانی کچہری

کے سب لوگ اپنے گھروں کو چھوڑ کر ریفیوجی کیمپ واقع جالندھر چھاؤنی میں منتقل ہو گئے، لیکن خدا کی شان کہ فضل محمد اور فتح محمد اپنے اہل و عیال سمیت وہیں رہے۔ حالانکہ ان کے رشتہ داروں نے ہر چند اصرار کیا کہ تم بھی ہمارے ساتھ آجاؤ، لیکن انہوں نے کسی کی نہ مانی، دوسرے دن فضل محمد اور فتح محمد نکلنے پر مجبور ہوئے، فضل محمد ایک ہندو کارخانہ دار بھولا ناتھ کا ملازم تھا، وہ مع اہل و عیال اس کے ہاں چلا گیا۔ فتح محمد بھی پناہ حاصل کرنے کی غرض سے گھر سے اپنی بیوی اور چھ سات بچوں کے ساتھ نکلا۔ لیکن راستے ہی میں ایک سکھ جیتھے کے ہاتھوں ریلوے پھاٹک (نزد اڈہ ہوشیار پور) اہل و عیال سمیت بری طرح سے قتل کر دیا گیا۔

فضل محمد چھ سات روز کے بعد اپنے مالک بھولا ناتھ کی مدد سے ریفیوجی کیمپ واقع جالندھر چھاؤنی میں اہل و عیال سمیت پہنچ گیا۔ فضل محمد مرض سے اس قدر تنگ آچکا تھا کہ وہ موت کی دعائیں کرتا تھا، چاہتا تھا کہ اسے کوئی مار ڈالے لیکن قدرت تو اسے نمونۂ عبرت بنانا چاہتی تھی۔ وہ زندہ سلامت لاہور پہنچ گیا۔ محلہ پرانی کچہری جالندھر کے تقریباً تمام افراد انجنیئرنگ کالج کے ہوسٹل نزد ریلوے اسٹیشن عقب اسٹریلیا بلڈنگ میں یکے بعد دیگرے آکر مقیم ہوتے رہے۔ فضل محمد بھی بیوی بچوں سمیت وہاں آگیا۔ اسکی حالت یہ تھی کہ دن رات بے چین و بے قرار رہتا تھا، اور ہر وقت تکلیف سے کراہتا رہتا تھا۔ اسکی نیند حرام ہو چکی تھی، وہ ننگے بدن صرف ایک تہبند باندھے رہتا تھا، اس حالت میں وہ ایک ماہ لاہور میں مقیم رہا، پھر وسط اکتوبر میں وہ لائلپور آگیا۔ اور محلہ گورونانک پورہ گلی ۴ جہاں محلہ پرانی کچہری جالندھر کے رہنے والے بیشتر لوگ آباد ہو چکے تھے وہیں آگیا، اس کا مرض لاعلاج ہو چکا تھا۔ یہاں چند ماہ بعد اس کا اسی بیماری کی حالت میں انتقال ہو گیا۔ اسکی میت کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اسکی لاش ایسی متعفن ہو گئی تھی کہ غسل دینے کو کوئی تیار نہیں ہوتا تھا، بڑی مشکل سے لوگوں نے اپنے ناک منہ پر کپڑا باندھ کر یونہی پانی بہا دیا۔ اور جلد از جلد قبرستان لے جا کر دفن کر دیا۔۔۔۔۔،

اب شمس الحق کا حال سنئے۔ یہ شخص جالندھر سے لائلپور آکر آباد ہوا۔ یہاں آکر بھی اس نے مسلم لیگی کارکن کی حیثیت سے بڑھ چڑھ کر کام کرنا شروع کر دیا۔ جلسوں میں بڑے زور شور سے تقریریں کیا کرتا تھا۔ اس نے ایک اخبار انصاف بھی جاری کیا، لیکن اس شخص کو کبھی چین نصیب نہ ہو سکا۔ راقم سطور نے بھی اسکو اچھی طرح دیکھا ہے، وہ بڑا بدمزاج اور زبان دراز شخص تھا۔ بھائی عطاء الحق کا بیان ہے کہ میں ڈپٹی کمشنر آفس میں بطور کلرک ملازم تھا۔ میرے پاس پریس سے متعلقہ کام بھی تھا، شمس الحق اخبار کے سلسلے میں اکثر میرے پاس آتا جاتا تھا۔ ۱۹۴۹ء کی ابتداء کا یہ واقعہ ہے کہ اخبار کے ڈیکلریشن کے سلسلے میں وہ میرے پاس آیا۔ اور تقریباً آدھ گھنٹہ کاغذات کی تکمیل کے سلسلے میں میرے پاس بیٹھا رہا۔ کاغذات مکمل کرنے کے بعد مجھے دے کر کچہری سے

چلا گیا۔ آخری دفعہ کچہری کے گیٹ پر اسے دیکھا گیا۔ اس کے بعد آج تک اس کا پتہ نہیں مل سکا۔ اس کے اغوا کی خبر آناً فاناً شہر میں پھیل گئی، اخبارات کے ضمیمے شائع ہوئے۔ پاکستان بھر میں پوسٹر لگے، پتہ دینے والے کے لئے انعامات کا اعلان کیا گیا، انجمن مہاجرین جالندھر نے ملک گیر تحریک چلائی، کئی وفد وزیر اعظم لیاقت علی خان سے ملے، حکومت کی طرف سے یقین دہانیاں بھی ہوئیں لیکن جگر گوشۂ رسولؐ کی توہین کرنے والے شمی کا نام و نشان تک نہ مل سکا۔

دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

میاں عبدالغنی قدیم متوطن محلہ عالی جالندھر مسلم لیگ کا سرگرم کارکن تھا، تقسیم ملک کے بعد لائلپور میں مقیم ہوا۔ شمس الحق عرف شمی کے ساتھیوں میں سے تھا، اخبار انصاف کا ڈیکلریشن اس کے نام تھا۔ آخر عمر میں اس کا دماغی توازن درست نہیں رہا تھا۔ وہ اکثر و بیشتر یہ کہا کرتا تھا کہ میری جو یہ حالت ہے یہ محض حضرت مدنیؒ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

بقیہ اسلامی قانون سازی

لیا جائے تو یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ ان کا اصل محرک فکری انقلاب ہے۔ جس نے بالآخر حکومتوں کو مجبور کر دیا کہ وہ معاشرتی ضروریات کے پیش نظر قانون میں مناسب گنجائش پیدا کریں۔ اس کو دوسرے الفاظ میں "مصلحت عامہ" کا تقاضہ کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ بالخصوص عائلی زندگی میں سہولتیں پیدا کرنے کی غرض سے مسلم ممالک اس نظریہ پر عمل پیرا ہوئے کہ فقہی احکام میں آئمہ اربعہ میں سے جس امام کے مذہب میں اور جس مسئلہ میں عامۃ المسلمین کے لئے سہولت و آسانی موجود ہو اس کو اختیار کر کے قانون کی حیثیت سے نافذ کر دیا جائے اور ایسے احکام میں جن کے متعلق قرآن و سنت میں صریح الحکام اوامر یا نواہی موجود نہ ہوں اور بوجوہ معقول ائمہ اربعہ کی آراء قابل قبول نہ ہوں تو اجتہاد سے کام لیا جائے۔ چنانچہ جدید اسلامی قانون سازی میں متعدد احکام ایسے ہیں جو قدیم فقہ میں مباح یا مستحب درجہ رکھتے ہیں، ان کو جدید قانون سازی میں لازمی حیثیت قرار دے کر عدم تعمیل کی صورت میں سزا مقرر کر دی گئی ہے اور اسکی بنیاد اس اصول پر رکھی گئی ہے کہ مصلحت عامہ کے پیش نظر (جو قرآن و سنت کے مغائر نہ ہو) اولی الامر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی مستحب فعل کو واجب قرار دے سکتا ہے۔ یہ مسئلہ کہ یہ اصول کس حد تک اسلامی قانون سازی میں رہنما اصول قرار پا سکتا ہے۔ ایک علیحدہ بحث کا طالب ہے۔

ریڈیو تقریر

عمر فاروق عبداللہ

ذیل میں ہم ایک امریکی نومسلم بھائی عمر فاروق عبداللہ کی ایک ریڈیو تقریر شائع کر رہے ہیں جو انہوں نے گذشتہ ماہ ونیکور (کینیڈا) کے ریڈیو اسٹیشن سے اردو پروگرام میں نشر کی۔ عمر فاروق عبداللہ یونیورسٹی آف شکاگو میں علوم اسلامیہ میں ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں اور ان کا خاص موضوع اصول فقہ ہے۔ ان کی تقریر میں ایک سچے مسلمان کا جو جذبہ اور جوش ہے۔ وہ ہم سب کے لئے مثالی نوعیت کا حامل ہے۔ سب سے دلچسپ اور ایمان افروز بات یہ ہے کہ عمر فاروق نے خود اپنے مطالعہ سے اور اپنی روحانی جدوجہد کی بنیاد پر وہ راستہ اختیار کیا جس پر چلنے سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت کے نور سے نوازا۔ اسلام کی حقانیت اور اس کے ابدی اور عالم گیر پیغام کی سچائی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے —— ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ تقریر انہوں نے خود اردو میں لکھی ہے۔ اسلام اور اسلامی علوم سے ان کی محبت اور دلچسپی کا ثبوت یہ بھی ہے کہ انہوں نے پانچ سال کی قلیل مدت میں نہ صرف یہ کہ عربی زبان پر عبور حاصل کیا۔ اور قرآن وحدیث اور قدیم مسلمان مفکرین کی تصانیف سے استفادہ کیا بلکہ اب بڑی تیزی سے یونیورسٹی آف شکاگو کے ساؤتھ ایشیا ڈیپارٹمنٹ میں اردو بھی سیکھ رہے ہیں۔ عمر عبداللہ حج کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ سعودی عرب، مصر اور نائیجیریا جا چکے ہیں اور اپنی ڈاکٹریٹ مکمل کرنے کے بعد پاکستان آنے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں۔ وہ شادی شدہ ہیں اور ایک پیاری سی بچی "ایمان" کے باپ ہیں —— "مدیر"

میں ۱۹۷۰ء میں مسلمان ہوا۔ اس سے پہلے میں کورنیل یونیورسٹی میں انگریزی ادب کا طالب علم تھا، کالج کے ابتدائی سالوں میں میں تاریخ کا بھی طالب علم رہا۔ مجھے عیسائیت کی ابتدائی تاریخ سے بے حد دلچسپی تھی خصوصاً آریاؤں وغیرہ کے بارے میں جن کے ہاں وحدانیت یعنی ایک خدا کا تصور تھا۔ چنانچہ مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ عیسائیت میں تین خدا کا تصور حضرت عیسیٰؑ کا دیا ہوا نہیں ہے۔

میرے والد خود ایک معلم رہے ہیں، انہوں نے BIO-CHEMISTRY (حیاتی کیمیا) اور علم الحیوانات میں ڈاکٹریٹ کی تھی۔ وہ خدا کے وجود کو مانتے ہیں اور تین خدا کے تصور کے خلاف تلقین

کرتے رہے ہیں۔

فلسفہ اور ادب کے مطالعہ نے میرے خیالات میں گہرائی اور گیرائی پیدا کی، اس دوران میں مجھے SPINOZA اور LEIBNITZ کو پڑھنے کا موقع ملا۔ ان دونوں کے پاس توحید کا جو تصور تھا اس نے مجھے متوجہ کیا۔ انگریزی ادب میں مَیں JOHN MILTON سے کافی متاثر رہا۔ ملٹن کو میں انگریزی کا بہت بڑا شاعر تسلیم کرتا ہوں۔ اس کی آخری شاعری میں توحید کا واضح رجحان ملتا ہے۔ اُس کی شاعری میں جنت کا خوشگوار اور دوزخ کا بھیانک تصور پوری طرح اجاگر ہوا ہے۔ ملٹن نے نہ صرف اس ایمان کا اظہار کیا کہ خدا ایک ہے بلکہ یہ بھی کہا کہ جنت میں داخلے کے لئے حضرت عیسیٰؑ کا اتیرواد ضروری نہیں۔

اس نے لاطینی، یونانی اور عبرانی ادب کے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ POLYGAMY یعنی ایک سے زیادہ شادیاں کرنا بائبل کے پیغمبروں کے طریقے کے عین مطابق ہے۔

ان کے مطالعہ کے بعد مشہور سیاسی لیڈر میلکم ایکس (MALCOM X) کی سوانح عمری نے میرے ذہن پر خوشگوار اثرات مرتب کئے، وہ مسلمان ہوگیا تھا۔ اور اس کا مسلم نام الحاج مالک تھا۔ بعد میں اسے قتل کر دیا گیا۔ اُس نے اس خیال کا اظہار کیا کہ توحید یعنی وحدانیت کو اپنانے ہی میں امریکہ کی فلاح اور بھلائی ہے، اور اسی طرح امریکہ کو نسلی امتیازات اور دوسری سماجی برائیوں سے پاک کیا جا سکتا ہے۔

اس وقت تک مجھے اسلام کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ بلکہ سچ کہئے تو اسلام کے بارے میں غلط تصورات تھے کہ یہ ایک سے زیادہ خداؤں کو ماننے والی بات ہے۔ اس کے بعد جب میں نے مطالعہ کیا تو یہ اندیشے بے بنیاد ثابت ہوئے۔ اور میں یہ جان کر متعجب ہوا کہ یہ تو حضرت ابراہیمؑ کا مذہب ہے۔ اور اسلام صرف عربوں کا نہیں بلکہ پاکستان، ہندوستان، انڈونیشیا اور یوگوسلاویہ اور کئی دوسرے ممالک کے لوگوں کا مذہب ہے۔

میں نے قرآن پاک کے ایک انگریزی ترجمہ کا مطالعہ کیا جو غنیمت تھا۔ اور جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات بھی درج تھے، مجھے یقین کرنا پڑا کہ بیشک آپ پیغمبر اور رسول ہیں، کیونکہ بائبل میں پیغمبروں کی جو خصوصیات درج تھیں ان پر آپ پورا اترتے تھے۔ اتفاق سے وہ ایک جمعہ تھا جس دن کہ میں ایمان لایا اور مسلمان ہوا۔۔۔ ہاں میں بغیر کسی مسلم کی مدد کے اور دعوت کے مسلمان ہوا۔ صرف اور صرف اپنے ذاتی مطالعہ کی وجہ سے۔

مسلمان ہونے کے بعد MSA[1] سے اور دوسرے مسلمانوں سے میری جان پہچان ہوئی MSA کے

---

[1] مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ (MSA)

سالانہ کنونشن میں شرکت کرنے کے بعد مجھے اسلام کی حقیقی روح کا اندازہ ہوا جہاں مختلف ممالک کے اور مختلف زبانیں بولنے والے مسلمانوں کو ایک ساتھ دیکھنے اور ساتھ رہنے کا موقع ملا۔

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ بہت سے ایسے لوگ جو مسلمان خاندانوں میں پیدا ہوتے اور مسلم نام رکھتے ہیں وہ اسلام کی صحیح نمائندگی نہیں کرتے مجھے بہت جلد احساس ہوگیا کہ جب مسلمان اسلام پر قائم ہے تو وہ بہت ہی نیک سیرت اور اعلیٰ ہے، اور اگر اسلام پر قائم نہیں تو وہ حقیر ترین اور انتہائی پست ہو سکتا ہے۔

قومیت کے بارے میں | صحیح بات تو یہ ہے کہ قومیت چاہے وہ ہندوستانی ہو یا پاکستانی، عربی ہو یا امریکی، چینی ہو یا برطانوی ہمیشہ اپنے طور پر ایک غیر منصفانہ بات ہے ـــ کسی انسان کو یہ آزادی نہیں کہ وہ اپنے طور پر کسی شہریت کو اختیار کرے۔ جو شخص جہاں پیدا ہوتا ہے۔ وہ وہیں کا ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر میں امریکہ میں پیدا ہوا ہوں، میں پاکستانی یا ہندوستانی نہیں ہو سکتا۔ البتہ میں مسلمان ہو سکتا ہوں جس کا مجھے اختیار ہے، جب کہ قومیت کا نہیں۔

آرنلڈ ٹائن بی مشہور مؤرخ نے کہا ہے کہ بیسویں صدی کی سب سے بڑی لعنت قومیت ہے۔ اُس نے کہا کہ اس وقت دنیا کے ممالک معاشی طور پر ایک دوسرے کے پابند ہیں، قومیت ایک بیماری ہے غلط اصولوں پر، یہ ایک قوم کو دوسری قوم سے لڑا کر رکھ دیتی ہے۔ اسلام کی بنیاد قومیت پر نہیں بلکہ سچائی اور عقیدے پر ہے۔ قومیت دراصل یہودیوں کا طریقہ ہے۔ عموماً ایک یہودی ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ یہودی گھرانے میں پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ میں اب ایک یہودی خاندان میں پیدا نہیں ہو سکتا، لیکن مسلمان ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں۔ چاہے آپ کا تعلق کسی بھی نسل سے ہو، کسی بھی ملک سے ہو، کسی زبان سے ہو، اگر آپ سچائی پر ایمان لاتے ہوں تو مسلمان ہو سکتے ہیں۔ آپ کو آزادی ہے، اور یہی انصاف ہے۔

آخر میں میں یہ کہنا چاہوں گا کہ مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں اچھا مسلم بننا چاہیے، قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كيف يهدى الله قوماً كفروا بعد ايمانهم وشهدوا ان الرسول حق

وجاءهم البينات والله لا يهدى القوم الظالمين۔

اولئك جزاءهم ان عليهم لعنة الله والملائكة والناس اجمعين - آل عمران

خدا ان لوگوں کو کیسے ہدایت کرے، جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے، جنہوں نے رسولؐ کے سچے ہونے کا اقرار کیا اور جن کے پاس خدا کی واضح دلیلیں پہنچ چکی ہیں۔ خدا ایسے نامعقول اور بے ڈھنگے لوگوں کی

باقی صفحہ ۴۸ پر

مشاہیر علمائے سرحد

وفات ۱۴ جنوری ۱۹۷۷ء

جناب محمد امین ایم۔اے
لیکچرار گورنمنٹ کالج۔مردان

حضرت مولانا غلام نبی صاحب فاروقیؒ

موت ایک حقیقت ہے ، ایک تلخ حقیقت ۔ یہ جب آنا چاہتی ہے ، تو پھر کسی کے روکے نہیں رکتی ، روزانہ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے بیسیوں لوگ اس کا شکار ہوتے ہیں ۔ مگر ان میں سے بہت کم ایسے افراد ہوتے ہیں ، جن کے فنا ہونے سے نہ صرف اپنے رشتہ دار اور قریبی تعلق دار غمزدہ ہو جاتے ہیں ، بلکہ پورا عالم ایک ماتم کدہ بن جاتا ہے ۔

محرم الحرام کی چودھویں اور جنوری ۱۹۷۷ء کی چوتھی تاریخ تھی ، حضرت مولانا الحاج غلام نبی فاروقیؒ جو مدت سے مختلف شدید بیماریوں کا بڑے صبر و شکیبائی ، خاموشی اور ثابت قدمی سے مقابلہ کرکے خندہ بہ لب دعوتِ موت کو لبیک کہا ۔

حضرت مولاناؒ بیاسی (۸۲) سال کی عمر پاکر اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے ۔ اتنی طویل عمر اور اتنی خاموش زندگی ۔ اس حقیقت کی غمازی کرتی ہے کہ آپ کو لاشعوری طور پر بھی نمود و نمائش کا احساس نہیں ہوا ۔ جب آپ طالب علم تھے تو بھی علم کے جویا بنے پھرتے رہے ۔ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ـــ کہ "علم مومن کی ایک کھوئی ہوئی (گم شدہ) شئے ہے ، وہ اسے جہاں پائے (فی الفور) اٹھائے" جگہ جگہ آپکے اساتذہ کرام کی فہرست کافی لمبی ہے ۔ جن میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب (جو صوبہ سرحد سے تعلق رکھتے تھے ۔) فاضل مینڈو (ہندوستان) کی طرح ایک علاقائی شہرت رکھنے والے صاحب سے لے کر حضرت العلام محقق شہیر اور محدث کبیر شاہ انور شاہ صاحبؒ مرحوم کشمیری کیطرح ایک بین الاقوامی شخصیت تک جیسے حضرات شامل ہیں ۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت شاہ انور شاہ صاحب سے دورۂ حدیث پڑھا اور اپنی علمی استعداد اور صلاحیت کی برکت سے شاہ صاحب کی نظر گوہر شناس آپ پر پڑی اس لئے حضرت شاہ صاحب نے انہیں اپنے علمی روحانی اور اخلاقی فیوض سے خوب خوب سیراب ہونے دیا ۔ حضرت مولانا امین گل صاحب

(راقم کے والد بزرگوار) جو حضرت الحاج غلام نبی صاحب مرحوم کے زمانۂ طالب علمی کے رفیق ہیں، بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حضرت شاہ انور شاہ صاحب تصویر دیکھنا چاہتا ہے تو حضرت مولانا غلام نبی صاحب کو دیکھے۔"

موصوفؒ کے دل میں حضرت شاہ صاحب کے لئے جو عقیدت تھی، اُس کی شدت کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، جو مصنف "انوارِ انوری" حضرت محمد صاحب انوری مرحوم لائلپوری نے اپنی مذکورہ کتاب کے صفحہ ۱۱۹ پر نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"ابھی فروری ۱۹۶۵ء سے ہے۔ مولانا غلام نبی شرقپور (ضلع شیخوپورہ کا وہ قصبہ جہاں حضرت مولانا جامع مسجد گجراں میں خطیب کے فرائض انجام دے رہے تھے۔) سے آئے ۔۔۔ مولانا فاضلِ دیوبند ہیں۔ شاہ انور شاہ صاحب سے دورۂ حدیث شریف پڑھا ہے۔ تقریباً ۲۴ گھنٹے قیام فرمایا۔ اور حضرت شاہ صاحب کا تذکرہ فرماتے رہے بڑے فاضل ہیں۔ مردان کے علاقہ کے باشندے ہیں۔ جب میں نے بحیثیتِ نم بہاولپور کے مقدمے کا تذکرہ کیا اور یہ کہ حضرتؒ نے جامع مسجد بہاولپور میں وعظ فرمایا کہ میں نے ڈابھیل جانے کے لئے سامانِ سفر باندھ لیا تھا۔ کہ مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی، شیخ الجامعہ بہاولپور کا خط پہنچا ۔۔۔" کہ تو قادیانیوں کے خلاف شہادت کے لئے آ۔" تو ہم نے سوچا کہ ہمارا اعمالنامہ تو سیاہ ہے ہی شاید یہی بات پیغمبر برحقؐ کی شفاعت کا سبب بن جائے، کہ نبی کریمؐ کا جانبدار بن کر بہاولپور میں آیا تھا۔" یہ سنتے ہی مولانا غلام نبی بے قرار ہوگئے اور رقت طاری ہوگئی ص ۱۱۹ "انوارِ انوری"۔

محولہ بالا بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کہ حضرت مولانا غلام نبی صاحب مرحوم کی علمیت مسلمہ تھی، کیونکہ مولانا محمد صاحب انوری مرحوم جیسی ہستی نے آپ کو "فاضل" کہہ کر یاد کیا ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ حضرت شاہ انور شاہ صاحب کے سچے عاشق اور عقیدتمند تھے، اور اسی گہرے تعلق کا نتیجہ تھا کہ آپ میں حضرت شاہ صاحب جیسا زہد و پارسائی، للہیت و بے ریائی، علمی و ادبی دقیق النظری اور گہری نکتہ سنجی پیدا ہوئی۔ آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، عربی و فارسی ادب اور صرف و نحو وغیرہا علوم پر مثالی عبور حاصل تھا۔ عمر کا اکثر حصہ درس و تدریس میں گذارا۔

تدریسی فرائض کے ساتھ ساتھ آپ پشتو، فارسی اور عربی زبانوں میں شعر گوئی بھی کیا کرتے تھے۔ نامور ہستیوں کی پیدائش یا وفات کی تاریخیں "ابجد" کے حساب سے نکالنے میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

جہاں کہیں کوئی مبارک اور دل خوش کن محفل سجائی جاتی تو اسکی مناسبت سے قصائد مرتب کرتے۔ دارالعلوم عربیہ شیر گڑھ ضلع مردان میں ۹۔۱۰ جولائی ۱۹۷۴ء کو جلسہ دستار بندی منعقد ہونا تھا جس میں محقق عصر علامہ شمس الحق صاحب افغانی، حضرت العلامہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ، حضرت مولانا مفتی محمود صاحب وغیرہ تشریف لانے والے تھے۔ آپ نے اس عظیم الشان جلسہ کے لئے درج ذیل قصیدہ لکھ کر بھیجا :

فؤادی بربع الظاعِینَ الاوائل — اسیر شدید الحب لیس براحل
نجوم الھُدیٰ والذین کانوا ائمۃً — لھم سالق الخیرات اھل التعادل
فللّٰہ الحمد ان لنا بعدہ مضیھم — جبال العلوم ثم التفاضل
اقول لکم اھلاً و سھلاً و مرحباً — عمائد دین اللّٰہ اھل التواصل
اَلاحبّذا دارالعلوم بشیرگرہ — بساحتھا الیوم جمع الافاضل

فمولای شمس الحق شمس علومنا — کبحر عظیم المَوجِ من غیر ساحل
ومحمود مفتی الدین اُستاذ سُنَّۃٍ — وعند نزول الصعب مُفتٍ لسائل
کذا الشیخ عبدالحق شارح سُنَّۃٍ — بنفع آثاراً بنہج الاَوائل

اس قصیدہ کے چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے گئے، ویسے آپ کا یہ قصیدہ بہت طویل ہے۔
آپ کا تخلص ابوتراب ہے۔ جس سے آپ کی خاکساری اور منکسرالمزاجی کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔
حضورِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت و خلوص کے اظہار کے لئے آپ نے شعر گوئی کو ایک بہترین ذریعہ پایا۔ ابتداءً پشتو میں شعر کہتے رہے، اور "سیرت خیر البشر" نامی ایک کتاب پشتو نثر میں لکھی۔ اس میں اکثر مقامات پر انہوں نے پشتو فارسی اور عربی اشعار کے بہترین نمونے سمودے ہیں۔ کتاب کے سرورق پر "انتساب" کے لئے ایک رقت انگیز شعر تحریر کیا ہے۔ جو ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں : ؎

پلوم دمخ لرے کړه په حال م شه خبر
د او ښکو ملغلرے م توئیږی په جولئ کښں

ترجمہ :۔ اے تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے چہرے سے چلمن کو ہٹا کہ میرا حال جان لیجئے (اور دیکھئے) کہ میرے آنسوؤں کے موتی میرے دامن میں گر رہے ہیں۔

آپ نے بعض غیر مطبوعہ مجموعے بھی لکھے ہیں، جو بیشتر طور پر عربی قصائد و مراثی ہیں مگر جگہ جگہ اس میں فارسی

اشعار بھی ہیں، آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں "العقائد العربیہ فی تذکار خیر البریہ" نامی ایک کتابچہ مرتب کیا ہے، مگر اس کا علم بہت ہی کم لوگوں کو تھا۔ کیونکہ آپ ان کو صرف اپنے تک محدود رکھتے رہے، اور ان کا ورد کر کے روحانی غذا کا سامان کرتے رہے۔ یہ اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ ایک تیسرا مجموعہ بھی ہے۔ جس کا کوئی نام نہیں رکھا گیا ہے۔ تاہم چونکہ اس میں مختلف مواقع پر کہے گئے مراثی، قصائد اور نظمیں شامل ہیں، اس لئے اسے "مجموعۂ متفرقات" کہنا مناسب ہوگا۔

حضرت مولانا غلام نبی صاحب نے فارسی زبان میں بھی جو شعر کہے ہیں وہ فنِ شعر گوئی میں اونچا مقام رکھتے ہیں۔ ایک پوسٹ کارڈ پہ حضرت مولانا امین گل صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم شیر گڑھ کو چند افسوسناک واقعات سے متاثر ہو کر اپنی حسرت و غم یوں ظاہر کرتے ہیں : ؎

اے جاں چرا بلب زدۂ مہر از سکوت — برخیز تاکہ بر زنی از بند لب صموت
وقت او ست تا بہ گوئی و ہم بشنوی ز غیر — احوالِ زندگی کہ بہ سلب است یا ثبوت
اہلِ زمانہ تنگ نظر اند و تنگ ذوق — در یاس و در قنوط تو می باش در قنوت

اور مقطع یوں ہے کہ :

دستِ دراز دار بدامانش بو تراب — در فکر و اضطراب از صلوات ساز قوت

آپ کا فنِ مرثیہ نگاری بے نظیر تھا۔ علاقہ بنیر سکنہ گراڑی کے ایک برگزیدہ صوفی منش عالم حضرت میاں حسن صاحب کی وفات حسرت آیات کے موقعہ پر آپ نے ۱۳۵۷ھ کو ایک قصیدہ بزبانِ فارسی رقم کیا۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے ؎

آہ ای گردون گردان آہ ای چرخ بریں — آہ ہجر اقربا و آہ احباب متین
آنکہ در فقہ و تفاسیر و احادیث بنی — با ید طولیٰ بیا و رشد زمار حلت گزیں
اِصْبِرِی بِالنَّفْسِ اِنَّ الصَّبْرَ خَیْرُ الْمُنْتَہٰی — اسعدی بالدمع یا عینی مع القلب الحزین

اس قصیدہ میں سنِ وفات کا مصرع یوں ہے ؎

آفتاب علم و تقوی بود با وصف حیا (۱۳۵۷ھ) — در غروب او ست بی شک آیۃ للعلمین

حضرت مولانا غلام نبی صاحب دوستوں اور شناساؤں کی موت پہ اتنے رنجیدہ ہوتے کہ کوئی مرثیہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے تھے اور لزوم کے ساتھ سنِ وفات کی تخریج کرتے، مگر آپ کے اپنے ارتحال پر ملال پر اب تک کوئی مرثیہ نہ لکھا جا سکا۔ کاش شعری ذوق اور مراثی نگاری کا شوق رکھنے والے حضرات اس طرف توجہ دیدیں۔ اور آپ کی روح کو طمانیت و فرحت پہنچانے کیلئے آپکی اس نیک روش کو زندہ رکھیں۔

جناب عبدالمجید قصر قندی

قسط ۴

بلوچستان کا ذکری مذہب اور اسکی تاریخ

ابوسعید ــــ اور ــــ ملا محمد اٹکی

ذکری حضرات یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا اولین حکمران ابوسعید بلیدی تھا۔ اسی کو وہ اپنا مذہبی رہنما بھی تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک کتابچہ " ثنائے مہدی " میں اپنے رہنماؤں اور مہدی کے خلفاء کو " ہفدہ کواکب " یعنی سترہ ستاروں کے نام سے یاد کیا ہے۔ ان ناموں میں سر فہرست " ابوسعید " کا نام درج ہے۔ اور مکران میں بمقام تربت ایک بوسیدہ قلعہ ہے، وہ بھی بوسعید کی طرف منسوب ہے۔ جو بقول ان کے ذکری دور حکومت کی ایک یادگار ہے۔

میر ابوسعید کون تھا۔؟ بوسعید کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ ذکری حضرات جسطرح ملا محمد اٹکی کے حالات سے واقف نہیں جن کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ابوسعید کے متعلق اور ان کے حالات سے ناآشنا ہیں۔ جب یہ لوگ تنہا بیٹھتے ہیں تو اپنے مہدی کے متعلق آپس میں اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ وہ پٹھان تھا، پھر کہتے ہیں نہیں جی اگر پٹھان تھا تو اٹک پنجاب سے کس طرح آیا۔ ہو نہ ہو یہ پنجابی تھا، اور مشہور بھی یہی ہے، اور کبھی کہتے ہیں کہ نہیں جی ہے

چوں بشد از سال احمد نہ صد و ہفتاد ہفت ۹۷۷

ذات پاک او قدم بنہاد در ہندوستان

اس شعر کی رو سے ہندوستان سے آیا تھا۔ غرض ذکری بچارے حیران و سرگردان ہیں کہ ان کا مہدی کہاں سے آیا تھا۔ تقریباً یہی حال بوسعید بلیدی کا ہے، البتہ بوسعید کے متعلق مابعد کا سلسلہ قدرے محفوظ ہے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بوسعید مکران کا باشندہ نہیں تھا۔

جناب محمد حسین عنقا کا خیال ہے کہ : " یہ بوسعید بن سلطان محمد بن میران شاہ بن تیمور ہے۔ "

(بلوچی دنیا۔ اکتوبر ۱۹۶۷ء)

مگر یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ یہ بوسعید پندرھویں صدی عیسوی میں گرفتار ہو کر قتل ہو گیا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ فرح کے نواح میں کچھ لوگ آباد تھے انہیں بلیدی کہا جاتا تھا۔ جب سید محمد جونپوری فرح میں گیا تو یہ لوگ مہدوی ہو گئے، اور جونپوری کے انتقال کے بعد ان میں سے کچھ لوگ ابو سعید بلیدی کی سربراہی میں نقل مکانی کر کے مکران میں آئے جس جگہ کو انہوں نے بسایا وہی بلیدہ مشہور ہوا۔

جناب رحیم داد خان مولائی شیدائی لکھتے ہیں:

میر ابو سعید بلیدی مسقط کے امامین سے شاہی خاندان کا ایک فرد تھا۔ مسقط میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کے دعوی کا حال سن کر غائبانہ معتقد ہو چکا تھا۔ آپ کی خراسان میں آمد کا حال سن کر مسقط سے روانہ ہوا۔ گرم سیل میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے تصدیق مہدیت کا شرف حاصل کیا۔" (بحوالہ مہدوی تحریک صـ۶۵)

مولائی شیدائی نے یہ مآخذ واللہ اعلم کہاں سے اخذ کئے ہیں۔ آگے چل کر مولائی شیدائی نے بوسعید بلیدی کے جو کارنامے بتائے ہیں وہ بغیر کسی سلطنت کے والی کے اور کوئی انجام نہیں دے سکتا تاریخ میں بوسعید نام کے اور بھی مرد میدان گذرے ہیں، اور پھر اس کا تعلق عمان سے بتانا ممکن ہے۔ بوسعید عمانی کے واقعات اس سے خلط ملط ہو گئے ہوں۔ کیونکہ عمان اور زنجبار کے والی اور دولت بوسعیدیہ کا بانی بوسعید احمد بن سعید اٹھارویں صدی میں گذرا ہے۔ وہ بھی ترکوں کا حامی تھا۔ اور بحیرۂ عرب میں بحری قزاقوں کا سر کچلنے میں انہوں نے ترکی حکومت کی مدد کی اور یہ بوسعید عمان کے یعربی امام سیف بن سلطان ثانی کے تحت صُحارہ کا والی ہو گیا تھا۔ اور اس کے کارنامے مشہور ہیں، دیکھیئے (اردو دائرہ معارف جلد نمبر۵ صـ۱۲)

یاد رہے کہ مسقط، عمان کے امامین جواز دی النسل تھے، ان کے بہت سارے قبائل اباضیہ فرقہ کے پابند تھے۔ اباضیہ خوارج کی بڑی شاخوں میں سے ایک ہے۔ اگر بوسعید بلیدی ان کا رشتہ دار تھا، اور وہاں سے آیا تھا، تو یقیناً خارجی مذہب کا تھا اور ازدی النسل تھا، کیونکہ مسقط کے امامین قرون وسطی تک اباضیہ فرقہ کے پابند تھے اور انہی میں سے کچھ لوگ خراسان بھی آتے تھے۔ اور اس زمانے میں اباضیہ عمان میں بیٹھ کر سندھ کو بھی متاثر کرتے تھے دیکھیئے (اردو دائرۂ معارف جلد نمبر ا صـ۲۳۱)

ممکن ہے بوسعید بلیدی خارجی ہو، غالباً اسی وجہ سے حضرت شاہ فقیر اللہ علویؒ م ۱۱۹۵ھ نے اپنے مکتوبات صـ۳۷۲ میں ذکریوں کو خارجی بتایا ہے، اور ان کو خلف بن عمر خارجی کا پیروکار تسلیم کیا اور یاد رہے کہ بوسعید بلیدی کا قلعہ تربت مکران میں بوسعیدہ شکل میں ابھی تک موجود ہے، اور تربت

کو تربت اس لئے کہتے ہیں کہ یہاں خلف بن عمر خارجی کی قبر تھی اور قبر کو بلوچی میں تربت کہتے ہیں۔ اور اس قبر کو قلات کے حکمران میر نصیر خان نوری نے ذکری حکومت کا خاتمہ کرکے توڑ پھوڑ کے ہموار کیا تھا۔ اس سلسلے میں مزید تحقیق جاری ہے۔

اگر بوسعید خارجی تھا، تو ایک خارجی کا مہدویت کو قبول کرنا بعید از قیاس نہیں کیونکہ بقول مہدوی رہنما شمس الدین مصطفائی کے غیر مسلم قوموں یعنی ہندؤں میں بھی مہدوی ہیں اور میں نے سنا ہے عیسائیوں میں بھی مہدوی ہیں۔ جب ہندؤں اور عیسائیوں میں مہدوی ہیں تو خارجیوں میں بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ مہدویت اب تو ایک سیاسی تحریک کا نام ہے جس میں ہر خس و خاشاک کو جگہ ہے۔

آخوند محمد صدیق اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

"بوسعید از ملک عرب آمدہ در ملک بلیدنشست" (بحوالہ تاریخ بلوچستان از رائے بہادر لالہ ہتورام ص ۶۵۲) یعنی ابوسعید عرب ملک سے آیا تھا۔ مگر یہ نہیں بتایا ہے۔ کہ عرب کے کن علاقوں سے آیا تھا، چنانچہ اس حوالے میں بھی خاص وضاحت نہیں۔

حضرت مولانا محمد حیات صاحب مدظلہ کا خیال ہے کہ ابوسعید اسی مکران کا باشندہ تھا باہر سے نہیں آیا تھا باہر سے آنے والے دوسرے ہیں یہ ابوسعید جو ذکریوں کا پیشوا تھا یہ اسی مکران کا باشندہ تھا۔ بوسعید اور بلیدا دونوں باپ بیٹے ہیں۔ جن دنوں ایران میں شاہ اسماعیل صفوی کی حکومت تھی، کیچ، پنجگور، سرباز وغیرہ میں بلیدی خاندان کی حکومت تھی شاہ صفوی اور اس کے کارندے لوگوں کو زبردستی شیعیت قبول کرنے پر مجبور کرتے تھے، چنانچہ ایران میں فرقہ باطنیہ کے کچھ لوگ رہتے تھے، جو اسماعیلی تھے، وہ شاہ ایران کے زیر عتاب آچکے تھے، اس لئے یہ لوگ ترک وطن کرکے وہاں سے نکل گئے ان میں سے کچھ لوگ سرباز آچکے تھے اور اپنے آپ کو سید ظاہر کرتے تھے، اور ذکریوں کا موجودہ مذہبی پیشوا سید عبدالکریم اسی خاندان کا ایک فرد ہے۔

غرض کہ ابوسعید ان باطنیوں سے متاثر ہو کر ان کا مذہب اختیار کر گیا اُدھر سے ملا محمد اٹکی بھی گھومتا پھرتا ادھر آنکلا اس نے کچھ اپنے خیالات اور کچھ باطنیوں کے ملا کر درمیان میں ایک جدید "ذکری مذہب کی بنیاد ڈالی۔ چنانچہ ذکریوں میں آج تک کئی ایسی باتیں اور رسوم موجود ہیں جو باطنیوں کے ہیں، ذکری مذہب اور اس کے بانی کا نام "داعی" ان کے رہنماؤں کے نام "ملا" یا "ملائی" "شیخ" یا "شے" ان کے بڑے بڑے رہنما۔ شیخ ابوسعید، شیخ جلال۔ شے " شے جامی، شے محمد یا مثلاً بھائی صاحب کی جگہ بھائی خان ان کے پیشوا تھے یہ تمام اصطلاحات اور خطابات اسماعیلی فرقہ کے ہیں۔ اس میں سر مو کوئی

فرق نہیں دیکھتے اسماعیلیوں کی کتاب "سمط الحقائق فی عقائد الاسماعیلیہ" مطبوعہ دمشق کا مقدمہ ص۱۶۔ نیز دیگر مذموم حرکات مثلاً نکاح و طلاق میں محرم وغیر محرم کی تمیز کو اڑا دینا اور ملاؤں کے لئے یہ حکم کہ وہ حلال و حرام کا اختیار رکھتے ہیں، یہ تمام اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ یہ ایک باطنی فرقہ ہے۔ اور میں نے سنا ہے اسماعیلیوں کے ساتھ ذکریوں کا رشتہ ناطہ بھی ہے۔ مگر ملا محمد اٹکی کی وجہ سے جو اس نے الہام کا اور مہدویت کا دعویٰ کیا تھا یہ فرقہ نہ پورا باطنی اسماعیلی رہا نہ مہدوی بلکہ اس بیچ میں ایک معجونِ مرکب مذہب تیار ہوگیا جو "ذکری" مشہور ہوا ابوسعید بلیدی کی وجہ سے دوسرے بھی اس جدید مذہب کی تقلید کرنے لگے۔ چنانچہ ابوسعید کے بعد جتنے بھی بلیدی جانشین اور حکمران گذرے سب کے سب ذکری تھے۔ مندرجہ بالا تحقیق سے مولائی شیدائی صاحب اور مولانا محمد حیات مدظلہ کے خیالات میں تضاد ہے۔ مولائی شیدائی کا خیال ہے کہ ابوسعید مسقط سے آیا تھا۔ جونپوری کے ہاتھ پر بیعت کرکے مہدوی ہوگیا تھا، اور ذکری دراصل مہدوی ہیں، مرورِ زمانہ سے ان کی کیفیت بدل گئی۔ مولانا محمد حیات صاحب کا خیال ہے کہ نہیں ابوسعید اسی مکران کا باشندہ تھا، ایران کے باطنی سیدوں کی وجہ سے باطنی مذہب اختیار کرگیا ابوسعید مہدوی نہ تھا، بلکہ ملا محمد اٹکی مہدوی تھا، انہوں نے باطنی سیدوں سے مل کر جدید "ذکری مذہب" کو فروغ دیا، واللہ اعلم تحقیق جاری ہے۔

بلوچستان میں مہدوی یا ذکری تحریک

جناب رحیم داد خان مولائی شیدائی اپنے مقالہ "بلوچستان میں مہدوی تحریک" میں لکھتے ہیں:

پندرھویں صدی عیسوی میں ابوسعید بلیدی کے ہاتھوں مکران میں مہدویت کی تبلیغ کا آغاز ہوا۔ ابوسعید نہایت سیاستدان تجربہ کار اور بہادر فرد تھا، اس نے مسلمانوں کی جو خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ ہند و پاکستان میں ہمیشہ جلی حروف میں لکھی جاتی رہیں گی، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ بحیرۂ عرب پر فرنگی بحری قزاقوں کا کامل قبضہ ہوچکا تھا، وہ دن رات تجارتی جہازوں اور حاجیوں کے جہازوں پر ٹوٹ پڑے تھے (الی ان) ایران پر صفوی خاندان کی حکومت تھی۔ شاہ اسماعیل صفوی غالی شیعہ تھا۔ اس کے کارندے براہ خشکی حج کو جانے والوں کا راستہ روکتے (الی ان) میر ابوسعید بلیدی کی مساعی سے ہندی مسلمان براہ کلمت بندر عمان کے راستے حجاز تک جانے لگے۔ جب ترکی کے سلطان سلیم اوّل نے ایران میں صفوی خاندان کی حکومت کا زور توڑا اور سلطان سلیمان اعظم نے اپنا بحری بیڑہ بحیرۂ عرب میں پرتگیزوں کا سر کچلنے، دوبارہ روانہ کیا۔ اور ابوسعید کی امداد سے پرتگیز بحری قزاقوں کا زور ٹوٹا تو عازمین حج کیلئے دونوں راستے کھل گئے۔" (بحوالہ مہدوی تحریک ص۶۳ و ص۶۵)

ابوسعید بلیدی کے مندرجہ بالا کارناموں سے ہمیں انکار نہیں ممکن ہے، انہوں نے یہ کارنامے انجام

دئے ہوں مگر میرے خیال میں مبالغہ آمیزی ضرور ہے، البتہ مولائی شیدائی کا یہ لکھنا کہ ابو سعید نے مہدویت کی تبلیغ پندرھویں صدی میں شروع کی صحیح نہیں کیونکہ سید محمد جونپوری ربیع الاول ۹۱۰ھ / ۱۵۰۴ء میں بمقام فرح پہنچے ہیں اور اسی سال ذوالقعدہ ۹۱۰ھ / ۱۵۰۴ء میں ان کا انتقال ہوا، یعنی سید صاحب کل نو مہینے فرح میں رہے، اگر ابو سعید کا فرح میں جانا اور جونپوری کے ہاتھ پر بیعت کرکے مہدویت کو قبول کرنا صحیح ہے تو پھر یہ سب کچھ سولہویں صدی میں ہوا ہے، نہ کہ پندرھویں صدی میں مولائی شیدائی نے ابو سعید کا زمانہ اور سلطان سلیمان اعظم کا زمانہ ایک بنایا ہے. سلیمان اعظم کا دور ۱۵۲۰ء سے ۱۵۶۶ء تک ہے. اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر ابو سعید نے کوئی کارنامہ انجام دیا ہے. یا کوئی تبلیغ کی ہے. تو سولہویں صدی میں اور یہی زمانہ ذکریوں کے مہدی ملا محمد اٹکی کا ہے۔

ذکری رہنما شے محمد قصر قندی کے قول کے مطابق جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ملا محمد اٹکی کا ظہور ۹۷۷ھ میں ہندوستان میں ہوا تھا، اور دین مہدی کی تکمیل کے بعد ۱۰۰۰ھ یا ۱۰۲۹ھ میں غائب ہو گیا تھا. اسی ملا محمد اٹکی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ جونپوری کا مرید تھا. اور ابو سعید کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے. کہ یہ ملا محمد اٹکی کا مرید تھا. واللہ اعلم. البتہ قصر قند کے سردار اور حاکم میر عبداللہ جنگی کے متعلق محمد اٹکی نے کہا ہے کہ یہ میرا مرید ہے، اور یہ میر عبداللہ جنگی ذکری اقوال کے مطابق گیارھویں صدی ہجری میں گذرا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ یہ مذہب ملا محمد اٹکی اور خاص کر ابو سعید بلیدی کی کوششوں سے بلوچستان میں پھیلا ہے۔ چنانچہ مولائی شیدائی صاحب لکھتے ہیں:

"مسلسل یک صدی کی تبلیغ سے بلوچ اور براہیوں کے بعض جرار قبائل اس فرقے میں شامل ہو گئے، رفتہ رفتہ اس مذہبی تحریک نے سیاست کا جامہ پہن لیا، اور اس فرقے کا ڈنکا ایک کونے سے دوسرے کونے تک بجنے لگا." (بحوالہ مہدوی تحریک ص ۶۶)

ذکری رہنما جناب سید عیسیٰ نوری لکھتا ہے:

"شیخ علائی اور عبداللہ نیازی کے دور میں ہندوستان میں جسطرح دین مہدی کی تبلیغ بڑے انہماک سے ہو رہی تھی اسی زمانے میں بلوچستان میں اور خصوصاً مکران میں ذکری مبلغ دین مہدی کی تشہیر و تبلیغ میں محو و منہمک تھے، اور بڑی تندہی سے اس کو پروان چڑھا رہے تھے." (ذکری تحریک تاریخ کی روشنی میں ص ۳)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایران کے باطنی فرقہ اور مہدوی تحریک سے مخلوط بنا ہوا فرقہ جو "ذکری" یا "داعی" مشہور ہوا. اس کا اصل بانی ملا محمد اٹکی اور ابو سعید بلیدی ہیں، اور یہ عرصے تک ایک ہی بلیدی خاندان تک محدود تھا، ایک صدی تک مسلسل جدوجہد کے بعد دوسرے قبائل تک اس کے مضر اثرات پہنچے اور اس طرح

بتدریج سیاست میں حصہ لیتے گئے اور ترقی کرتے گئے پھر مکران کے گچکی خاندان کے سردار اس میں شامل ہو گئے۔ اس طرح پورے مکران کو اپنے لپیٹ میں لے لیا اور پھر اٹھارویں صدی میں ان کو انتہائی عروج حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ کسی مسلمان نمازی کا ان علاقوں میں گذرنا محال ہو گیا تھا۔ بلکہ متشدد ذکری اس مسلمان نمازی کو قتل کیا کرتے تھے۔ مگر ان کو زوال بھی اٹھارویں صدی ہی میں ہوا۔ غالباً یہ اسی ظلم کا نتیجہ تھا۔

شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی اور ذکری مذہب سننے میں آرہا ہے کہ بعض ذکری حضرات لوگوں کو یہ باور کرا رہے ہیں کہ شاہ نعمت اللہ ولی جن کی پیش گوئیاں مشہور ہیں ذکری رہنما تھا، ان کا شمار ذکری پیش رو بزرگوں میں ہوتا ہے۔ اگر ذکری حق پر نہ ہوتے تو ان میں اتنے بڑے بزرگ پیدا نہ ہوتے اصل بات یہ ہے کہ ذکریوں میں ایک شاعر "ملا نعمت اللہ ولی" کے نام سے ایرانی بلوچستان میں گذرا ہے۔ اسی کو ان لوگوں نے غلط فہمی سے شاہ نعمت اللہ ولی سمجھ لیا ہے۔ ذکری فرقہ کے ایک صاحب جناب عبدالغفار ندیم نے ایک مضمون زیر عنوان " ذکری بلوچوں کے فارسی شعراء" میں جو "بلوچی دنیا اگست ۱۹۶۵ء کے پرچہ میں شائع ہوا ہے۔ لکھا ہے:

" ملا نعمت اللہ ولی" دسویں صدی ہجری میں گذرے ہیں وہ ایرانی بلوچستان کے علاقہ سراوان کے رہنے والے تھے۔ اور بلوچوں کے قبیلہ" بزرگ زادہ" سے تعلق رکھتے تھے۔"

اس میں صاف لکھا ہے کہ ملا نعمت اللہ ولی دسویں صدی ہجری میں گذرا تھا۔ اور شاہ نعمت اللہ ولی کا انتقال نویں صدی ہجری ۸۳۰ھ یا ۸۳۱ھ یا ۸۳۴ھ میں ہوا ہے۔ البتہ اس زمانے میں ایران میں شاہ نعمت اللہ ولی کا طریقہ تصوف شیعوں میں رائج تھا۔ شاہ صاحب کی اولاد نے شاہ صفوی کی مدد کی جو کہ ایک غالی شیعہ تھا۔ اسی وجہ سے خود شاہ نعمت اللہ ولی کی شخصیت متنازع فیہ ہے۔ سنی کہتے ہیں کہ وہ سنی اور حنفی المذہب تھے اور ایران کے شیعہ کہتے ہیں کہ وہ اکابرین شیعہ میں سے تھے۔ بالخصوص اثنا عشری شیعہ اور اسماعیلی شیعہ کہتے ہیں کہ وہ اسماعیلی تھے۔ چنانچہ میں نے سنا ہے کہ اسماعیلیوں کی کتاب" دعائم الاسلام" میں شاہ صاحب کا تذکرہ ہے۔ (مجھے کتاب ملنے کی امید ہے۔)

شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی کے خاندان کا ایک فرد جناب مرزا ضیاء الدین بیگ نے ایک کتاب بنام" احوال و آثار شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی" لکھی ہے۔ اس کے ص۱۰۱ پر لکھتے ہیں:" شاہ صاحب کے مسلک کے بارہ میں مؤرخین میں اختلاف رائے ہے۔"

مرزا ضیاء الدین بیگ چونکہ خود سنی ہیں، اس لئے اس نے لکھا ہے، بلکہ ایک قطعہ سے ثابت کیا ہے کہ شاہ صاحب سنی حنفی المذھب تھے۔ مگر اسکی اپنی کتاب میں صرف ایک حوالہ اس کے حق میں ہے، اور بس

طہران یونیورسٹی کے دو ریسرچ اسکالر مسٹر نصر اللہ پرجاویدی اور مسٹر پیٹر لمبرن ولسن نے اپنے جامع تحقیقاتی انگریزی مقالہ بعنوان شاہ نعمت اللہ ولی کے پسماندگان میں لکھا ہے کہ " شاہ نعمت اللہ خود اپنے پیدائشی و آبائی مسلک کے پیروسنی تھے۔ البتہ آپ کے جانشینوں نے فارس میں خاندان صفویہ کے سیاسی مصالح و تصورات سے متاثر و منسلک ہوکر اسماعیل صفوی کی مدد کی۔ اور تصوف اہل التشیع کے اعتقادات وطریقوں پر مبنی سلطنت قائم کرنے میں مدد دی (اسلامک کلچر شمارہ ۱ جنوری ۱۹۷۴ء حیدرآباد دکن)

استاد سعید نفیسی نے " سلسلہ نسب فرق تصوف ایران وہند " کے عنوان کے تحت شاہ صاحب کے عقائد کے بارہ میں اس طرح لکھا ہے: " در قرن ہفتم صدر الدین قونیوی وپس در قرن ہشتم شاہ نعمت اللہ ولی وپس ازاں سید محمد نور بخش طریقہ تصوف ابن العربی راکہ با تصوف ایران بیگانہ بودہ است درمیان ایرانیاں رواج دادہ اند و نعمت اللہ ولی آنرا با معتقدات شیعہ توام کردہ و طریقہ نعمت اللہی نخستین طریقہ تصوف فرقہ شیعہ شدہ است وابستہ منحصر با ایران وہندوستانست۔" (دیباچہ، شاہ نعمت اللہ ولی با مقدمہ استاد سعید نفیسی ص ۱۳ مطبوعہ تہران۔) مذکورہ بالا عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ شاہ نعمت اللہ ولی نے طریقہ تصوف ابن العربی کو جو ایرانیوں کے تصوف سے علیحدہ تھا۔ ایرانیوں میں رائج فرمایا۔ اور اس کو معتقدات شیعہ سے ملحق کر دیا۔ طریقہ نعمت اللہی پہلا طریقہ تصوف فرقہ شیعہ تھا، ایران وہندوستان میں۔ ——— نیز مؤلف تاریخ برگزیدگان ومشاہیر ایران نے شاہ صاحب کے مسلک کے بارہ میں اسطرح لکھا ہے۔ " شاہ نعمت اللہ ولی بن سید عبد اللہ کرمانی ماہانی معروف بہ نعمت اللہ ولی از اکابر عرفا و اعاظم مشائخ شیعہ، واصل طریقت، وپیشوائے اصل سلوک است۔ (تاریخ برگزیدگان ومشاہیر ایران وعرب ص ۵۸۶ از امیر مسعود سپہرم) یعنی شاہ نعمت اللہ ولی جو سید عبد اللہ کرمانی ماہانی کے فرزند تھے یہ صاحب طریقت اور سلسلہ تصوف کے پیشوا اور شیعوں کے بڑے بزرگوں اور مشائخ میں سے ہے۔

جناب ایم۔ اے حفیظ نے اپنی تالیف " شاہ نعمت اللہ ولی " کے نویں باب ص ۲۵ میں شاہ صاحب کے مذہب کے بارے میں لکھا ہے کہ " شاہ صاحب کا مذہب جیسا کہ ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔ تین اجزاء سے مرکب تھا۔ تشیع وحدۃ الوجود۔ سلسلہ تکوین۔ آل رسول (صلعم) کی فضیلتیں ان کے دیوان میں جابجا بیان ہوتی ہیں۔ جناب امیر کی شان میں ان کے قصیدے موجود ہیں جن کے مضامین سے اکثر اہل سنت والجماعت اتفاق نہ کریں گے۔ ان کے اثنا عشری ہونے کے ثبوت میں ایک رباعی پیش کی جاسکتی ہے ؎

خواہی کہ زدوزخ برہانی دل و تن ! اثنا عشری شو و گزین مذہب من
دانی سہ محمد بود دو چہار علی با موسیٰ و جعفر و حسین و حسن

مندرجہ بالا حوالہ جات "احوال و آثار شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی" مطبوعہ ۱۹۷۵ء کراچی سے منقول ہیں۔
معلوم ہوا کہ شاہ صاحب وحدۃ الوجودی تھا اور سید محمد جونپوری بھی وحدۃ الوجودی تھا۔ اور ملا محمد اٹکی چونکہ بڑا ہی مکار، چالاک اور جہاندیدہ شخص تھا۔ اس نے ایران کا دورہ کر کے تمام حالات کا جائزہ لیا تھا، وہ جونپوری اور نعمت اللّٰہی تصوف سے باخبر تھا، اس لئے ان باطنی سیّدوں سے جو ایرانی بلوچستان علاقہ سرباز وغیرہ میں آئے تھے۔ ملکر ایک جدید فرقہ کی بنیاد ڈالی جو آج بلوچستان میں "ذکری" کے نام سے معروف و مشہور ہے۔ اور یہ بھی وحدۃ الوجودی ہے۔ اور عجیب و غریب مذہب ہے جس کے بارے میں آئندہ انشاء اللہ تحریر ہوگا۔

معزز قارئین سے

کئی ماہ سے پرچہ کی اشاعت میں بوجوہ تاخیر ہو رہی ہے۔ تاہم ہماری سعی ہوتی ہے کہ درمیانی وقفہ ایک ماہ سے زیادہ نہ ہو مہینوں کے لحاظ سے قارئین کو کچھ بے ترتیبی محسوس ہو رہی ہے، اس سلسلے میں ہماری گذارش ہے کہ پرچہ کی ترتیب مہینوں سے نہیں بلکہ رسالہ پر لکھے ہوئے نمبر شمار سے لگایا کیجئے بعض دفعہ رسالہ پر مہینے کا نام دیکھ کر قارئین یہ خیال کرتے ہیں کہ پرچہ انہیں تاخیر سے بھیجا گیا ہے، حالانکہ پرچہ آتے ہی بیک وقت ایک ہی دن میں سپردِ ڈاک کیا جاتا ہے ــــ بہت سے قارئین نہ خریداری نمبر لکھتے ہیں نہ منی آرڈر کوپن پر کچھ وضاحت سے تحریر فرماتے ہیں۔ ایسے حضرات سے الحق اپنا تعلق برقرار رکھنے سے معذور ہوگا ــــ ایڈیٹر الحق کی گرفتاری کی وجہ سے اس پرچہ میں نقشِ آغاز شامل نہیں ہو سکا۔ لہٰذا ادارہ معذرت خواہ ہے۔

کیا آپ کے ذمہ الحق کا چندہ باقی ہے؟
اگر ہے تو

جلد از جلد ادا فرما کر ایک دینی ادارہ کے استحکام اور ترقی میں معاون ہوں۔ آپ کا ایک ایک پیسہ الحق ہی پر خرچ ہو کر اور تبلیغ حق کا ذریعہ بن کر آپ کے لئے صدقۂ جاریہ بنتا ہے اپنے حلقہ میں اسکی ترویج اور اشاعت کیطرف توجہ فرمائیے اور ہمیں اپنے مفید مشوروں سے بھی آگاہ کرتے رہیں ــــــــ (ادارۂ الحق)

ادبیات

منقبتِ رسولؐ

اسم ساقی تو احمدؐ و مسندت محمود — قربِ حق ہست عملاً بہرِ شفاعت موجود

محمدؐ احمد و محمود مشتق انداز حمد — محمد احمد ازیں اند حامد محمود

حمد چوں مادہ مکرم شدہ اسمائے عزیز — دست بدست ہر دو کون ہست محمد راسود

شک نمکن ہست محمدؐ چوں رحمت عالم — اولین نورِ خدا نورِ محمد را بود

خداست واصف احمد محمد حامد او — خلاصہ عالمے یک عابدست و یک معبود

افضلا حب ہر دو مر ترا بکار آید! — برائے حب خلق تست بہ جہاں مقصود

— از میر افضل عفی عنہ کلاگے (اگرور) —

مولانا عبد الحق مد ظلہ کی کامیابی پر

—— جناب غلام حسن خاکی، حکیم بازار خواجہ گنج۔ مردان ——

عبد حق آں مردِ حق آگہ ز اسرارِ رسول[1] — آید از اطراف عالم خلق از بہرِ حصول

منبع زہد و ہدایت عارفِ اطوارِ شرع — رہنمائے دین و دنیا ماحی ظلم و جہول

فیض جاری لطف باری چشمۂ جود و سخا — مظہر انوار عالی مرتبہ ذاتش قبول

علم و فضلش باثمر گشت از گروہ اولیا[2] — عطرش از باغ حسینی[3] بوئے گل کردہ حلول

باد از نورش منور محفل ہر خاص و عام — غیر موجود تیش اسلام را آرد ذبول

التجا دارد ہمیں خاکی ز لطف عام او — درد عائے نیم شب ہر بار می خواہد شمول

---

[1] اسرارِ رسول (حدیث شریف)۔ [2] گروہ اولیا شیخ الہند مولانا محمود الحسن۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ
[3] باغ حسینی (جناب مدنی صاحب)

جناب مضطر عباسی۔ ایم۔ اے

جدید زبانوں کے عربی ماخذ

کاسٹ :۔۔۔ انگریزی میں کاسٹ (CAST) کے معنیٰ ہیں پھینکنا، بکھیرنا۔ براڈ کاسٹ (BROAD CAST) کے معنیٰ ہیں ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ آواز نشر کرنا پھیلانا وہی CAST جسکے معنیٰ ہیں پھینکنا براڈ (BROAD) کے سلسلے میں اس سے پہلے عرض کیا جاچکا ہے۔

کاسٹ :۔۔۔ (CASTE) کے معنیٰ قوم۔ ذات۔ فرقہ اور جماعت کے ہیں، گویا ایسے گروہ جن میں بٹ کر انسانی وحدت کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔

کاسٹنگ ووٹ (CASTING - VOTE) سے مراد ہے، اس آدمی کی رائے یا ووٹ (VOTE) جو دو طرفہ برابر ووٹوں میں فیصلہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس طرح حضرت عثمان کے انتخابی بورڈ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ یا حضرت عبدالرحمن ؓ بن عوف کی رائے تھی۔ خلیفہ دومؓ نے وصیّت کی تھی کہ انتخابی بورڈ میں فریقین کی آراء برابر ہو جائیں تو ان دو حضرات میں سے کسی ایک کی رائے سے فیصلہ کیا جائے گا، یعنی ان کی ووٹ کاسٹنگ (CASTING - VOTE) ہوگی۔

اہل یورپ کی تحقیق کے مطابق یہ تمام کلمات سکینڈی نیویا کی زبان SCANDINAVIAN کے کلمہ KASTA سے ماخوذ ہیں ڈنمارک کی زبان ڈینش میں یہ لفظ KASTE ہے۔ اور اس کے معنیٰ ہیں پھینکنا بکھیرنا اور خاص کر کھیت میں بیج بکھیرنے کیلئے یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے، اور ہمارا اپنا لفظ کاشت جسے ہم نے فارسی سے لیا ہے، دراصل اسی KASTA کے خاندان کی ایک شاخ ہے۔ عربی میں ایک لفظ "قسط" اور "قسوط" ہے، جس کے معنیٰ ہیں بکھیرنا۔ اور یہ جو "قسط" کا لفظ ہمارے ہاں INSTALMENT کے معنوں میں آتا ہے۔ یہ بھی اپنے اندر تقسیم کے معنیٰ لئے ہوئے ہے، مختصر یہ کہ یورپ والوں کا CAST اور اس کے مشتقات نیز اردو فارسی کا "کاشت" سکینڈی نیوین (SCANDINAVIAN) کے KASTA سے ماخوذ ہے، اور KASTA عربی کے "قسط" کی بدلی ہوئی صورت ہے۔

کوسٹ :۔۔۔۔ انگریزی کا لفظ کوسٹ COST جو قدیم فرانسیسی میں COST جدید فرانسیسی میں COUTER ہے ہسپانوی میں COSTA پرتگالی میں CUSTA اور اطالوی میں COSTO ہے۔ اس کے معنیٰ ہیں قیمت۔ اہل یورپ کی تحقیق کے مطابق یہ لفظ لاطینی کے کلمہ CONSTARE سے ماخوذ ہے۔ رہا لاطینی کے کلمہ CONSTARE کا ماخذ سو ان لوگوں کا خیال ہے کہ یہ لفظ CON اور STARE سے مرکب ہے۔ CON کے معنیٰ ہیں ساتھ جو انگریزی میں CO ہے۔ اور STARE کے معنیٰ ہیں کھڑا ہونا جو اسپرانتو میں STARI ہے۔ اور انگریزی میں اسکی صورت STATE ہے۔ وہ STATE نہیں جس کے معنیٰ ریاست کے ہیں وہ STATE جس کے معنیٰ ہیں "ٹھہرنا"۔ اور جس سے STATION (سٹیشن) ماخوذ ہے۔ ہاں ! تو لاطینی کا کلمہ CONSTARE مرکب ہے CON اور STARE سے اور مرکب کے معنیٰ ہیں برابر کھڑا ہونا۔ ساتھ کھڑا ہونا۔ اس سے قیمت کا مفہوم مستعار لیا گیا ہے۔ اس لئے کہ قیمت بھی برابر ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اہل یورپ کی تحقیق کے مطابق COST بمعنی قیمت کا لفظ لاطینی کے کلمہ CONSTARE کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ ان لوگوں نے "برابر کھڑا ہونا" سے قیمت کا مفہوم اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن عربی کے "قیس" کو COST کے ماخذ اور روٹ (ROOT) کی حیثیت سے نہ پہچان سکے۔ قیس جس سے ہمارا قیاس اور مقیاس بنا ہے۔ اس کے معنیٰ ہیں اندازہ کرنا اور اہل یورپ کا COST اسی قیس کا ممنون ہے۔ ذرا اندازہ فرمائیں کہ کوسٹ (COST) کو CON اور STARE کے مرکب CONSTARE سے ماخوذ قرار دینا اور بلاوجہ اسکی شکل وصورت مسخ کرنا زیادہ آسان بات ہے یا عربی کے قیس اور قیاس میں ت (T) کا اضافہ کرکے کوسٹ (COST) بنا لینا آسان تھا۔

مشین :۔۔۔ مشین کا لفظ جدید زبانوں مختلف تلفظ اور املا کے ساتھ ملتا ہے۔ انگریزی میں MACHINE ہے، جو املا کے اعتبار سے مچین یا ماچین ہے۔ اور تلفظ کا خیال کیا جائے تو "مشین" ہے۔ فرانسیسی میں MACHINE لکھا جاتا ہے۔ جس میں CH - ش - کی آواز دیتا ہے۔ ہسپانوی میں MAQUINE یعنی - ق - کے ساتھ، اطالوی میں MACCHINA پرتگالی میں MAQUINA رومانیہ کی زبان میں MASINA جرمن میں MASCHINE ڈچ میں MACHINE سویڈن کی زبان سویڈش میں MASKIN، ڈنمارک کی زبان ڈینش میں MASKINE ناروے میں بولی جانے والی زبان نارویین میں MASKIN پولینڈ کی زبان پولش میں MASZYNA سربیا کی زبان میں MAŜINA ترکی میں MAKINA، انڈونیشیا کی زبان "بھاشا" میں SESIN روسی میں MASHINA یونانی زبان میں MICHANI جدید عربی میں MAKINA جدید عبرانی میں MECHONAH یہودیوں کی زبان۔ یدیش۔ میں MASCHIN افریقہ کی زبان

سوالی میں MASHINE اور اہل یورپ کی مصنوعی زبان اسپرانتو میں MASINO. اہل یورپ کی تحقیق کے مطابق یہ تمام کلمات یونانی زبان کے کلمہ MECHANE سے لیئے گئے ہیں جس کے معنٰی ہیں کام کرنا۔ بنانا۔ تدبیر کرنا وغیرہ۔

اہل یورپ نے بنانے کیلئے انگریزی کے MAKE جرمن کے MACHEN ڈچ کے MAKEN اور یہودی زبان کے MACHEN کو بھی یونانی زبان کے اسی کلمہ MECHANE سے ماخوذ مانا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ اگر ان تمام کلمات کو عربی کے "مصنع" سے ماخوذ مان لیا جائے جو۔ صنع۔ سے مشتق ہے۔ تو لسانیات کا کوئی قاعدہ قانون اسکی تردید نہیں کر سکتا۔ چونکہ اہل یورپ کے ہاں۔ ص۔ نہیں یہ خالص عربی زبان کا حرف ہے۔ اور یورپ والے اس کے تلفظ میں دقت محسوس کرتے ہیں۔ اس لیئے اسے کہیں۔ش۔ کہیں۔ک۔ کہیں۔ ق۔ کہیں۔ خ۔ اور کہیں۔ چ۔ سے بدل لیا گیا ہے۔ نہ صرف مختلف ممالک اور اقوام کے لوگوں نے مصنع۔ کے ص۔ کو مختلف آوازوں میں استعمال کیا ہے، بلکہ ایک ہی زبان میں اسکی آوازیں مختلف ہیں۔ مثلاً انگریزی کے کلمہ MACHINE میں اس (ص) کی املا۔ CH۔ ہے۔ اور آواز۔ش۔ (SH) کی ہے۔ لیکن اسی ماخذ اور مصدر سے بنائے گئے دوسرے بہت سے الفاظ MECHANIC اور MECHANICAL وغیرہ میں۔ص۔ (CH) کی آواز بجائے۔ش۔ (SH) کے۔ک۔ (K) کی ہے۔ رہا "صنع" یا "مصنع" کے آخری حرف۔ ع۔ سو یہ اہل یورپ کے لئے غیر مانوس حرف ہے۔ اسے یہ لوگ A سے بدل لیتے ہیں اور اکثر حذف کر دیتے ہیں۔

بقیہ: ریڈیو تقریر

ہدایت نہیں کرتا۔ ان پر تو لعنت ہے خدا کی فرشتوں کی اور تمام انسانیت کی۔

یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ خدا نے ان پر اپنی لعنت اور فرشتوں کی لعنت کے ساتھ ساتھ تمام انسانیت کی لعنت کیوں بھیجی ہے۔؟ ان پر تمام مسلمانوں اور غیر مسلموں کی لعنت ہے مسلمانوں کی اس لیئے کہ انہوں نے ایمان لا کر سچائی کا راستہ چھوڑ دیا اور مسلمانوں سے الگ ہو گئے۔ ان پر غیر مسلموں کی لعنت اس لئے ہے کہ انہوں نے اپنے طور طریقوں سے انہیں سچائی اور انصاف کا راستہ اختیار کرنے سے باز رکھا۔

الحق کے حالیہ شمارہ میں " عالمی زبان " کے عنوان پر محترم مصطفیٰ عباسی کا ایک مضمون نظر سے گذرا ہے۔ مدیر الحق کیطرف سے اس عنوان لکھنے کی دعوت بھی ساتھ ساتھ تحریر ہے۔

لسانیات کا میں طالب علم نہیں ہوں اس لئے اس پر ایسا مضمون جو کہ جامع اور مانع ہو تحریر میں لانے کا خیال نہیں رکھتا۔ البتہ موصوف کے مضمون سے جو میرے قلب پر تاثر وارد ہوا ہے۔ اسی سے متعلق مختصراً عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

محترم مصطفیٰ عباسی کا جذبہ ہے کہ وحدتِ زبان کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ ترجمان کی ضرورت ہی نہ پڑے، میں سمجھتا ہوں یہ جذبہ اپنی جگہ پر کتنا ہی صحیح کیوں نہ ہو، مگر عملاً اس کا نتیجہ صفر ہے۔ کیونکہ تخلیق آدم سے اب تک وحدتِ زبان کی مثال ناپید ہے۔ ہمیشہ ہر دور میں جب بھی اس طرح کی ضرورت پڑی تو ترجمان سے کام لیا گیا، جیسا کہ آج بھی یہ معمول باقی ہے، اور تا قیامت ضرورت اسکی متقاضی ہے۔ کہ یہ معمول رہ جائے۔

اگر محترم عباسی صاحب کی تجویز پر عربی زبان کو نئے قواعد کے تحت ترتیب دیکر اسپرانتو کیطرح آسان تر بنایا جائے تو بھی یہ زبان ایک حد تک عوامی تو بن جائے گی مگر عالمی بہر صورت نہیں بن سکے گی۔ اور پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ عربی زبان کی اس نئی ترتیب سے جو خاکہ محترم عباسی صاحب نے تحریر کیا ہے یہ زبان عالمی بایں معنیٰ بن سکے گی کہ ہر ہر فرد آسانی سے اسکو بول چال میں لا سکے گا۔ یا پھر بھی مخصوص لوگ ہی بول سکیں گے۔

پہلی شکل ناممکن ہے، اور دوسری شکل سے عربی عالمی زبان نہ بن سکے گی۔ اس لئے عربی کو کسی بھی شکل میں ڈھالا جائے، مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک اس کا عالمی زبان بننا ممکن ہے۔ یہ وہ عربی زبان ہے جسکی لغت بے مثل، قواعد بے نظیر، اور فصاحت و بلاغت مسلم ہے۔

اور کوئی بھی زبان عربی زبان کا مقابلہ تو درکنار اسکی لونڈی بننے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی، تو فرمائیے اس حالت میں اور کونسی زبان ہے، جو عالمی زبان کا تمغہ حاصل کر سکے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ عالمی سے مراد اگر کل اضافی ہے تو لامحالہ سب سے بہتر اور سب سے مفید تر عربی زبان ہے، بلکہ پورے عالم کیلئے بھی محور اور مرکز کی حیثیت یہی عربی زبان ہی ہے، غالباً یہی نکتہ ہے کہ عالمی پیغمبر کو عرب میں بھیجا گیا اور عالمی دین کو یعنی قرآن پاک کو عربی زبان میں اتارا گیا۔ چنانچہ پوری دنیا میں اس عربی قرآن پاک کی تفاسیر تمام زبانوں میں پائی جاتی ہیں۔ عربی زبان اپنی وسعت اور مرکزیت کے باعث تمام زبانوں کے لئے کھلا ہوا چیلنج ہے جسکا جواب تو درکنار اس چیلنج کو قبول کرنا بھی دل گردے کا کام ہے۔ توکم ازکم مسلم ممالک کا فرض ہے کہ اپنے ممالک کی سرکاری زبان عربی ہی کو قرار دیں۔ اور تمام تعلیمی اداروں میں عربی زبان کو لازمی مضمون قرار دیں۔ جبکہ انگریزی کو تعلیمی اداروں میں اختیاری مضمون ٹھہرائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زبان کے مسئلہ میں وحدت زبان کی اتنی ضرورت نہیں ہے، جتنا کہ وحدت ادیان کی ضرورت ہے۔ کیونکہ تضاد و اختلاف کا موجب ہمیشہ نظریات کا اختلاف ہوتا ہے۔ اگر نظریہ میں وحدت پائی جائے تو پھر سکون و اطمینان کی دولت میسر آجاتی ہے۔ سو وہ نظریۂ اسلام ہے۔ خدا کرے ہم اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اسے اپنا کر دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکیں۔

(مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی۔ بہاولپور)

جناب اختر راہی ایم۔ اے
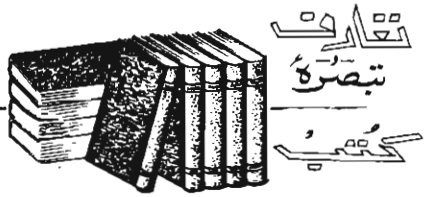
عہد نبوت کے ماہ و سال | مؤلف : علامہ مخدوم محمد ہاشم سندھی۔ مترجم : مولانا محمد یوسف لدھیانوی۔
ناشر : حسین چوہدری ٹرسٹ۔ لاہور۔ تقسیم کار : مکتبہ رشیدیہ ۳۲۔ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور۔
طباعت و جلد : عمدہ۔ صفحات : ۳۷۴۔ قیمت : -/۳۰ روپے

علامہ مخدوم محمد ہاشم سندھی (م ۱۱۷۴ھ)، امام شاہ ولی اللہ کے معاصر تھے۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ تعلیم و تدریس، تصنیف و تالیف اور وعظ و ارشاد میں گزرا۔ اُن کی علمی و دینی خدمات کے پیشِ نظر انہیں خطۂ سندھ کا شاہ ولی اللہ کہا جا سکتا ہے۔

موصوف نے سیرتِ نبوی پر ایک عمدہ کتاب "بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ" کے نام سے لکھی تھی۔ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اوّل میں مکی دور کے واقعات اور حصہ دوم میں مدنی دور کے واقعات سن وار بیان کئے گئے ہیں۔ مؤلف مرحوم نے سیرت کی معتبر و مستند کتابوں سے معلومات یکجا کی ہیں۔ اگر کسی واقعہ کے بیان میں اختلاف پایا جاتا ہے، تو تمام روایات بیان کر کے راجح قول کی نشاندہی کر دی ہے۔

سیرت کے موضوع پر اس عمدہ کتاب کو عربی سے اردو میں منتقل کر کے مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب نے ایک اہم علمی و دینی خدمت انجام دی ہے۔ ترجمہ سلیس اور رواں ہے۔ کتاب پڑھتے ہوئے "ترجمہ پن" کا احساس نہیں ہوتا۔ اتنی عمدہ اور نفیس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے مؤلف کے حالات کے بارے میں تجسس پیدا ہوتا ہے۔ دوسرے ایڈیشن میں مؤلف علامہ مخدوم محمد ہاشم سندھی کے حالات کا اضافہ کر دیا جائے تو بہتر رہے گا۔ اس طرح مؤلف کے مآخذوں کی ایک فہرست تیار کر دی جائے تو کتاب کی اہمیت میں مزید اضافہ ہو گا۔

حکیم الامت تھانویؒ ۔ اکابر اور معاصرین کی نظر میں | مؤلف : سید محمود حسن۔ صفحات : ۲۸۰
ناشر : کتب خانہ مظہری ۴۔ جی۔ ۲/۱ ناظم آباد، کراچی۔ ۱۸ جلد : کارڈ بورڈ، قیمت : دس روپے۔
حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ماضی قریب کی اُن شخصیات میں سے ہیں، جن کی مساعی جمیلہ نے

اصلاح معاشرہ میں اہم کردار ادا کیا۔ حضرت تھانویؒ نے قلم کے ساتھ ساتھ تصوف کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کی خدمت انجام دی۔ اہل نظر نے انہیں کس انداز سے دیکھا ؟ یہی زیر نظر کتاب کا موضوع ہے۔ آغاز میں مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم اور مفتی رشید احمد صاحب کی تقاریظ ہیں۔ مفتی صاحب مرحوم نے کتاب کے بارے میں لکھا ہے کہ :

"سرسری نظر میں تو یہ رسالہ ایک بزرگ کے مناقب کا مجموعہ ہے ۔۔۔۔۔۔ لیکن درحقیقت اس مختصر رسالہ میں حضرت حکیم الامت کی اہم تعلیمات اور خصوصیات کا ایسا مجموعہ جمع ہوگیا ہے کہ وہ ہر طالب دین کے لئے حرز جان بنانے کے قابل ہے "

بریلوی فتنہ کا نیا روپ　مؤلف : مولانا محمد عارف سنبھلی۔　ناشر : ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور ــــ بریلوی گروہ کے ایک قلم کار جناب ارشد القادری صاحب نے چند سال پہلے "زلزلہ" نامی ایک کتاب لکھی اور ایک بار پھر امت مسلم کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کیا۔ بریلوی حضرات اپنے روحانی بزرگ احمد رضا خان صاحب کی طرح اپنی صلاحیتیں مسلمانوں کی تکفیر و تفسیق میں ضائع کر رہے ہیں۔ دین کی خدمت کے بیشمار راستے کھلے ہیں۔ قرآن و حدیث کی خدمت کی جاسکتی ہے۔ اسلامی تاریخ پر کام ہو سکتا ہے مسلمانوں کے تمدن و معاشرت پر لکھا جاسکتا ہے۔ غیر مسلم مستشرقین کے الزامات کا جواب دیا جاسکتا ہے۔ غرضیکہ سینکڑوں موضوع ایسے ہیں جو ان حضرات کو دعوت غور و فکر دیتے ہیں۔ حیرت ہے کہ اس طرف توجہ نہیں دی جاتی اور جو لوگ یہ کام کر رہے ہیں ان پر کیچڑ اچھالا جاتا ہے۔

ان دین کے خادموں کو اپنے کام سے ہٹ کر ارشد صاحب جیسے لوگوں کا الزامات و اعتراضات کا جواب بھی دینا پڑتا ہے۔ زیر نظر کتاب اسی "زلزلہ" کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ مؤلف کو مولانا محمد منظور نعمانی کی سرپرستی حاصل رہی ہے۔ جواب کے علاوہ ضمیمہ میں "بریلوی مکتب فکر" کی تاریخ پر اجمالی نظر ڈالی گئی ہے۔ جس سے اس گروہ کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

مؤتمر المصنفین کی ایک اور پیشکش

قومی اسمبلی میں

اسلام کا معرکہ

شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مدظلہ کی سرگرمیاں

ع صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب (اقبالؒ)

قومی اسمبلی میں جمہوری قومی وملی مسائل پر قراردادیں مباحثات پارلیمنٹ میں موجودہ سیاسی پارٹیوں کا موقف، حزب اختلاف اور حزب اقتدار کا اسلامی وملی مسائل کے بارہ میں رویہ، شیخ الحدیث کی تقاریر، اور ان کی قراردادوں پر ارکان اسمبلی کا ردعمل — آئین کو اسلامی اور جمہوری بنانے کی جدوجہد پر کیا گذری، تحاریک التواء، سوالات اور جوابات، مسودہ دستور میں ترمیمات اور تشریحی تقریریں۔

★ سیاستدانوں کے منشور اور انتخابی وعدے کردار کی کسوٹی پر۔

★ ایک اہم سیاسی دستاویز۔

★ ایک آئینہ اور ایک اعمالنامہ

★ ایک ایسی رپورٹ جو اسمبلی کے شائع کردہ سرکاری رپورٹ کے حوالوں سے بھی مستند ہے۔

★ پاکستان کے مرحلہ آئین سازی کی ایک تاریخی داستان اور ایک ایسی کتاب جس سے دکلاء، سیاستدان بھی اور اسلامی سیاست میں منہمک افراد وجماعتیں بھی بے نیاز نہیں ہو سکتیں۔

★ ایک ایسی کتاب جو جہاد حق اور غلبۂ اسلام کے علمبردار علماء کیلئے حجت و برہان بھی ہے۔ اور مستقبل میں اسلامی جدوجہد میں رہنما بھی۔ — کتاب شائع ہو چکی ہے اور ترسیل جاری ہے۔

عمدہ کتابت وطباعت حسین سرورق، قیمت پندرہ روپے۔ صفحات ۰۰۰

مؤتمر المصنفین اکوڑہ خٹک (پشاور)

معیاری
اور
قابلِ
اعتماد
ایگل
ایک عالمگیر قلم
A PRODUCT OF
AZAD FRIENDS & CO. LTD
AFC-5/74
ORIENT PROCESS LHR

ہر دور میں اوّل
SOHRAB
پاکستان کا
نمبر 1 بائیسکل سہراب

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

REGD-NO.P-90